

کاوشِ نسواں

درسی مضامین

اجتماعیت	اسلامی معاشرہ	اسلامی حیا
اسلامی شریعت	اسلامی دوستی	اسلامی استقامت
تعلیم و تربیت	اسلام اور سائنس	اللہ پر توکل
اسلامی کی عورت	تمدن اسلامی	جہاد بالقرآن



لجنہ نسواں۔

کاوش نسواں

درسی مضامین

اسلامی شریعت، اسلامی معاشرہ، اللہ پر توکل، اجتماعیت، اسلامی دوستی
تعلیم و تربیت، اسلامی عورت، اسلام اور سائنس، تدبیر اسلامی، جہاد بالقرآن
اسلامی استقامت، اسلام حیات

ناشر: لجنہ نسواں

بسم الله الرحمن الرحيم

تفصیلات

کتاب کا نام : کاوش نسواں
 صفحات: ۳۰۰
 ناشر کا نام : اشاعت کیٹی
 سنہ اشاعت : ۲۰۱۷
 طباعت من جانب: لجنہ نسواں - الدمام
 تعداد طباعت: ۱۰۰۰
 قیمت کتاب : ۱۰۰ روپیہ

انتساب

اپنی دینی بہنوں
کے نام

فہرست

نمبر شمار	مضامین	تالیف	متعلقات	صفحہ
۱	مقدمہ	خانہ داری / مضمون نگاری	کتاب کے متعلق	۷
۲	شعوری مسلمان	وسیم	تعارف اسلامی	۱۰
۳	اسلامی معاشرہ	شبانہ	معاملات اسلامی	۱۹
۴	اجتماعیات	شبانہ	معاشرت اسلامی	۲۶
۵	اسلام میں خواتین کا مقام	سارہ	مساوات اسلامی	۳۴
۶	دوستی کا معیار	نغمہ	اخلاق اسلامی	۵۵
۷	اقامت دین	وسیم	سیاست اسلامی	۷۵
۸	شریعت اسلامی	مبینہ	قانون اسلامی	۸۱
۹	قرآن اور سائنس	شبانہ	معلومات اسلامی	۹۲
۱۰	اسلام میں تعلیم و تربیت	تمنا، مسرت	علوم اسلامی	۱۰۱
۱۱	تدبیر	قمر	نفسیات اسلامی	۱۰۵
۱۲	توکل	بشری	روحانیت اسلامی	۱۱۹
۱۳	استقامت	فرحت ندیر	نفسیات اسلامی	۱۳۰
	حیاء و شرم	محمودہ	نفسیات اسلامی	۱۵۹

لجنہ نسواں کی موافقات نہ صرف ہمارے علمی استفادہ
 کا سبب بنی ہیں بلکہ ہم سب کا سر فخر سے اونچا کر دیا اس علمی
 شاہکار پر سب بہنیں قابل مبارکباد ہیں ہماری دعا ہے ان
 مضامین علمی کو قبولیت عامہ ہو اور ہر مرد و زن ان سے مستفیض

ہو۔ آمین

مختار مجید

مستول عام لجنہ نسواں

مقدمہ

خانہ داری / مضمون نگاری

اسلامی معاشرہ پر بے شمار الزاموں میں سے ایک بے بنیاد الزام یہ بھی ہے کہ اسلام میں عورت کو چادر اور چہار دیواری میں محدود کر رکھا ہے اور اس کی (نام نہاد) آزادی سلب کر رکھی ہے۔ حالانکہ اسلامی تاریخ کے یہ اوراق ہر چشم بینا کو چکا چوند کرنے کے لئے کافی ہیں جس میں حضرت خدیجہ کی تجارت اور حکمت حضرت عائشہ کی فقاہت حضرت زینب کی علمیت حضرت سمیہ اور حضرت صفیہ کی شجاعت حضرت فاطمہ بنت خطاب کی استقامت حضرت طلحہ و زیدین کی سخاوت سنہرے لفظوں سے لکھی ہوئی ہے۔ بلکہ آج تک راہ ہدایت ہیں۔

ہاں یہ بھی کسی حد تک صحیح ہے کہ فرسودہ حالات کے تحت اب یہ الزامات درست معلوم ہونے لگے تھے کیونکہ ان الزامات کے پیچھے وہی قوتیں آج بھی کار فرما ہیں جو اسلام کے نام پر کبھی جاہلی تصوف کو عام کرتی ہیں، کبھی اختلاف علمی کو ہوادیتی ہیں، کبھی دین و دنیا کی تقسیم کرتی ہیں، کبھی سیاست کو مذہب سے جدا کر دیتی ہیں۔

حالانکہ ایسے افکار باطلہ کا ہمیشہ مفکرین اسلام نے دفاع کیا ہے ہر صدی کے دانشور اپنے حالات اور اپنے اسٹائل سے خدمت اسلام کرتے رہے۔

تاریخ امام حسین کی شجاعت، امام غزالی کی علمی محنت، ابن تیمیہ، عبد الوہاب نجدی کی حقانیت، شاہ ولی اللہ، اور مولانا قاسم رحم کی حکمت، سے پہلو تہی نہیں کر سکتی۔

انیسویں صدی میں وقت نے ایک اور کروٹ لی ایک جانب خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا تو دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے ابوالاعلیٰ مودودی، علامہ اقبال، حسن بناسید قطب شہید ابو الکلام عیسیٰ شخصیات سے تجدید احیاء دین کا کام لے لیا۔ اس تجدید کے ذریعہ پھر سے یاد دہانی کرائی گئی۔

کہ دین کوئی فلسفیانہ یا راجحانہ گورکھ دھندہ نہیں بلکہ ایک سادہ سا نظام حیات ہے اور ہر مرد و زن کے لئے ہے اس نظام حیات کے نفاذ قلبی اور نفاذ فزیکلی میں مرد و زن کا برابر کا حصہ ہے کسی مرد یا کسی عورت کی تخصیص نہیں، نہ ہی ایسا ہے کہ عورت کی دینداری بس خانہ داری پر ختم ہو جاتی ہے بلکہ آج بھی صحابیات کے نقش قدم پر چل کر تمام بہنیں ان اکرمکم عند اللہ اتقا کہہ کا مقام حاصل کر سکتی ہیں یہاں تو من جد و جد والا معاملہ ہے۔۔۔ بس جس نے بھی بڑھکر اٹھا لیا جام اسی کا ہے۔

دمام کی کچھ بہنیں امور خانہ داری کے ساتھ ساتھ سماجی ثقافتی کردار بہت امتیازی انداز سے ادا کر رہی ہیں جو یقیناً دعوت دین کا ایک حصہ ہے۔ چند مضامین کا گلدستہ جن کو صنف نازک نے چادر چہار دیواری میں رکھا امور خانہ داری کی مصروفیتوں کے باوجود سجایا ہے۔

یہ ایک طرح کے دروس ہیں جو گرمیوں کی تعطیلات میں تحریر کئے گئے جب مجھ تک بطور اصلاح پہنچے تو میں نے حوصلہ افزائی کے لئے ذمہ داری لے لی تھی مگر مضامین دیکھ کر اور بنیادی تحسیم جانکر خود میری حوصلہ افزائی ہو گئی، محسوس نہیں ہوتا کہ یہ بہنیں مضمون نگاری میں مبتدئہ ہیں بلکہ ماہرہ انشاء کا گمان ہوتا ہے۔

ان کا یہ دینی جذبہ تقاضہ کرتا تھا کہ ان مضامین سے سب ہی مستفیض ہوں سب کو ان مضامین سے توانائی ملے اور مولفات کو ثواب ملے، بس اچانک طباعت کی جانب میلان ہوا تا کہ ان سب کی یہ ابتدائی کوشش ترقی کی سیرجی ثابت ہو۔ اور خانہ داری سے مضمون نگاری تک کا سفر مفید و کارگر ہو۔

اس تالیف میں تقریباً بارہ مضامین مختلف موضوعات پر ہیں جس میں حالات حاضرہ کے موضوعات کو حقیقی انداز میں پیش کیا گیا ہے بتایا گیا ہے کہ اسلام میں عورت کا صحیح مقام کیا ہے، اسلامی تعلیم میں تربیت کا کیا ریشو ہے سائنس سے اسلام کی کتنی مطابقت ہے اسلام میں تعلقات اور دوستی کا کیا معیار ہے سیاست کیا دین کا حصہ ہے یا لا حاصل شئی ہے؟ اسلامی قوانین کیا آج بھی مفید ہیں؟ اسلام میں تدبیر اور توکل کی کیا

اہمیت ہے شرم و حیا انسانیت کے لئے کیوں ضروری ہے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہر مضمون کی تحسین اور فکر اسلامی ہے۔

دعاء ہے کہ یہ خوشہ علمی سب کے لئے بالخصوص بہنوں کے لئے راہ عمل بنے اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے آمین۔

قارئین سے گزارش ہے کہ پہلی کوشش میں کچھ غلطیاں بھی ہو سکتی ہیں ان کو درگزر کر کے اس اچھی کوشش میں بھرپور تعاون کریں۔

مصلح لجنہ نسواں

وسیم بلال قاسمی

(مولانا حافظ قاری نائب خطیب و مفتش۔ الدمام)

۱۷/۱۱/۱۱

شعوری مسلمان

مرتبہ: وسیم

شعوری مسلمان

[عبادات اسلامی]

مرتبہ:۔۔۔ وسیم

میں یہ سوال اپنے دیش کے واسیوں سے کرنا چاہتا ہوں کہ کیا آپ مسلمان ہیں؟ چاہے وہ اپنے آپ کو ہندو، سکھ، عیسائی، پارسی کچھ بھی کہتا ہو کیونکہ ہر شخص ایشور کی آگیا کا پالن کرتا ہے بلکہ اس سنار کا ذرہ ذرہ پر ماتما کا ہی حکم مانتا ہے، اس کی آگیا کے بغیر ایک پرتہ بھی نہیں مل سکتا، کوئی بھی نہ اپنی مرضی سے مر سکتا ہے نہ جنم لے سکتا ہے، منہ کے بدلے ناک سے نہیں کھا سکتا، کان کے بدلے آنکھ سے نہیں سن سکتا، زبان کے بدلے کان سے نہیں بول سکتا، منش تو کیا، کوئی چیز بھی اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتی سورج پچھم سے نہیں نکل سکتا، زمین آسمان پر نہیں جا سکتی، آسمان زمین میں نہیں آ سکتا، پہاڑ چل پھر نہیں سکتے دریا چلتے چلتے رک نہیں سکتا، گویا ہر چیز بھگوان کے حکم سے کام کر رہی ہے، اس کی آگیا کا پالن کر رہی ہے، اس کی فرمانبرداری کر رہی ہے بلکہ اس کی تعریف کر رہی ہے، قرآنی الفاظ میں اس طرح کہا گیا ہے **و ان من شیء الا یسبح بحمدہ** (سورہ نمبر ۴۴، آیت نمبر ۱) لفظوں کے اعتبار سے ہر شخص مسلمان ہے، کیونکہ ہر حال میں اللہ کا ہی حکم مانتا ہے بلکہ اس کائنات کا ذرہ ذرہ مسلمان ہے کیونکہ سنار کا ہر ذرہ اسی کی آگیا کا پالن کرتا ہے۔ اس طرح ہر ہندو، ہر سکھ، ہر عیسائی مسلمان ہوا کیونکہ سب ہی اس کا حکم مانتے ہیں، اور آگیا کا پالن کرتے ہیں۔

بالکل اسی طرح جیسے کہ ہر ہندوستانی، جغرافیائی اعتبار سے ہندو ہے، چاہے وہ مسلمان ہو یا سکھ ہو یا عیسائی ہو، کوئی ہندوستانی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ ہندو نہیں ہے، اسی طرح کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مسلمان نہیں ہے، بس فرق صرف اتنا ہے کہ کچھ لوگ سوچ سمجھ کر [شعوری] مسلمان ہیں اس لئے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور کچھ لوگ بغیر سوچے سمجھے مسلمان ہیں وہ اپنے آپ کو ہندو، سکھ، عیسائی کہنے لگتے ہیں، بس یہی فرق ہے سنار کی ہر چیز کے مسلمان ہونے میں اور مانو جاتی (انسان) کے مسلمان

ہونے میں، انسان سوچ سمجھ کر اطاعت (آگیا کا پالن) کرتا ہے اور سنسار کی باقی چیزیں، نیم کے انوسار (نظام کے تحت) اطاعت کرتی ہیں کیونکہ وہ اسی لئے بنائی گئی ہیں۔ انسان کے لئے شعور (سمجھ بوجھ) پر ماتما کا ایک وردان (نعمت) ہے اسی لئے اس منش کو سب سے بدھیمان کہا گیا ہے، جو انسان یہ سمجھ کر بھگوان کی آگیا کا پالن (اطاعت) کرے گا کہ اس میں سنسار کا بھی فائدہ ہے اور ساری منش جاتی کا بھی فائدہ ہے اسی کو شعوری یا اصلی مسلمان کہا جاتا ہے، ورنہ لفظی مسلمان تو سارا سنسار ہے وہ ہندو ہو یا سکھ ہو یا عیسائی ہو، جو شعوری مسلمان ہوتا ہے وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ سارا سنسار ایک ہی ہستی چلا رہی ہے وہ ہستی ان گنت شکلیوں کی مالک ہے، جس کو ہم بھگوان، پر ماتما یا خدا کہتے ہیں وہ ایک نہ ہوتا تو روزانہ بھگوانوں میں مت بھید ہوتا، کوئی کہتا بارش برساؤ، کوئی کہتا نہیں، دھوپ بھیجو، جو بھگوان حکم مان لیتا اور دب جاتا تو پھر وہ بھگوان کہاں ہوتا وہ تو بھگوان کا بھگت ہوتا، لہذا بھگوان یا خدا صرف اور صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور واقعی ایک ہی ہے وہی ایک ہستی ہے جو پوجا کے لائق ہے، اسی کی پوجا (عبادت) ہونی چاہئے، شعوری مسلمان یہی سوچ کر اس کی عبادت (پوجا) اور اطاعت (آگیا کا پالن) کرتا ہے، جبکہ اس کے دوسرے بھائی (جو لفظی مسلمان ہیں)، بھگوان یا خدا کی شکلیوں کی الگ الگ تصویریں یا مورتیاں بنا لیتے ہیں، کبھی ایثور کے بہت سارے منہ بنا دیتے ہیں، کبھی بہت سارے ہاتھ کبھی خدا کی بہت سی شکلیوں (صفات) کو مجسم صورت دیکر یا مورتیاں بنا کر مندروں میں بٹھا لیتے ہیں اور اس کی پوجا کرنے لگتے ہیں، کبھی بھگوان کے پیچھے ہوئے دوت یعنی رحولوں اور قاصدوں کو بھی بھگوان بنا لیتے ہیں اور ان کی بھی پوجا شروع کر دیتے ہیں (جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ رام، کرشنا، یا گوتم بدھ، بھگوان کے پیچھے ہوئے رسول تھے) مگر ان کی بھی پوجا کی جانے لگی حالانکہ دھارمک کتب بھگوت گیتا، منو سمرتی اور سارے ویدیاں توں میں تو یہی لکھا ہوا ہے کہ ایک ہی شکتی ہے جس کو ہم اللہ یا پر ماتما کہتے ہیں اس کے ساتھ کسی کو بھی ساجھی دارمت بناؤ بلکہ یہی بات بھگوان کو سب سے بری لگتی ہے کہ اس کے ساتھ کسی

کو شریک کیا جائے، اور واقعی لگنی بھی چاہئے، کیونکہ اگر ہم کسی بادشاہ سے یہ کہیں کہ ہمارا ایک بادشاہ اور بھی ہے تو یقیناً اسے برا لگے گا، اگر ہم اپنی ماں سے یہ کہیں کہ ہماری ایک ماں اور بھی ہے تو ہماری ماں کو کتنا برا لگے گا، اور اگر اپنے باپ سے یہ کہہ دیں کہ ہمارے بہت سارے باپ ہیں پھر تو وہ آگ بگولا ہو جائے گا، مگر کتنی عجیب بات ہے کہ اپنے بھگوان کے لئے بہت سارے بھگوان بنائے اور سمجھایا جاتا ہے کہ یہ بہت اچھی بات ہے، کاش اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے تو بہت سے مت بھید خود بخود سمپت ہو جائیں، مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ ابھی تک ہمارے دل و دماغ میں پورا و شواہ (یقین، ایمان) نہیں بیٹھا ہے، جس کو اس طرح کہا گیا ہے کہ ولہا یدخل الایمان فی قلوبکم (سورہ نمبر ۴۹ آیت نمبر ۱۳) اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا۔

یہ بات جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں ان پر بھی لاگو ہوتی ہے اور جو نہیں کہتے ہیں ان پر بھی لاگو ہوتی ہے، مسلمان جو کہ جانتے ہیں کہ حکم دینے والی ایک ہی ہستی ہے اس کے حکم کے مطابق ہی اپنا جیون بتانا چاہئے، وہ بھی ایسا جیون نہیں بتا رہے ہیں جیسا کہ ان کو حکم دیا گیا کہ گویا اللہ کا ڈر خوف ان کے دلوں میں بھی نہیں رہا اور پکا ایمان ان کے دلوں میں بھی داخل نہیں ہوا، بس زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہہ رہے ہیں مگر کر تو یہ (عمل) اس کے برخلاف ہے۔

اور جو اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے وہ بھی اپنی مرضی سے جیون بتا رہے ہیں، بھگوان کا حکم ماننے کے بجائے بھگوان ہی بہت سارے بنادے، پوجا (عبادت) کا اور اطاعت (آگیا کا پالن) کرنے کا جو طریقہ اللہ کے رسول (دوت) لیکر آئے اور ان پر چل کر دکھایا، آہستہ آہستہ ان کو بھلا کر اپنی بدھی سے بنائے ہوئے مارگ (طریقہ) پر چلنے لگے اور ان رسولوں، رشی، مینیوں کو بڑی عقیدت سے (بلکہ بڑی چالاکی سے) مندروں میں بٹھا دیا اور ان کی بڑی شردھا (عقیدت) سے پوجا کی جانے لگی، مگر سماج دھرم (دین) اپنی بدھی سے اپنی مرضی کا بنالیا، جس قوم کے پروہتوں (بڑوں) کو جو نیم

اصول اچھا گاہی قانون اور دھرم بن گیا، جس میں اپنا یا اپنی قوم کا فائدہ سمجھ میں آیا وہی سماج بن گیا اپنے اپنے سماج (دین) کا الگ الگ نام رکھ کر اس پر جم گئے بلکہ اڑ گئے اور اپنی ہی بات کو اچھا سمجھ کر دوسروں سے بالکل کٹ گئے، بلکہ اس پر جھگڑیے شروع کر دئے حالانکہ رشی منیوں کی اور رسولوں کی بہت سی باتیں ہر سماج میں کسی نہ کسی انداز سے ابھی بھی موجود ہیں جو آج بھی ہر جگہ اچھی سمجھی جاتی ہیں، جیسے چوری کرنا، شراب پینا، زنا کرنا، کسی کو ستانا، جھوٹ بولنا، کسی کو قتل کرنا، مگر جب رسولوں کے بتائے ہوئے اصولوں (نیموں) کو چھوڑ کر اپنی بدھی سے بنائے ہوئے نیموں کو اپنا یا جاتا ہے تو اس میں اپنا فائدہ اور سوار تھ بھی ساتھ لگ جاتا ہے اور یہیں سے وہ خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو آگے چل کر بڑی نقصان دہ ہوتی ہیں مثلاً بہت سارے بھگوان بنالینا یا اپنی شر دھا اور عقیدت میں رسولوں کو بھی اوتار یا بھگوان بنالینا یا اپنے ہر بھلے برے کر تو یہ (عمل) کی سزا یا جزا اسی سنار میں دوبارہ آکر حاصل کرنا جبکہ بھگوان یا اللہ صرف اور صرف ایک ہے، رسول ہماری طرح انسان ہیں مگر بہت ہی مہمان انسان ہیں، ہمیں اپنے کئے کی سزا اور جزا ملتی ہے مگر ایک دوسرا سنار ہے جہاں سورگ اور نرک ہے، اس کا فیصلہ یوم آخرت میں سنایا جائے گا، اس بات کو ہم تو حید رسالت اور آخرت پر دثواس کرنا بھی کہتے ہیں اور جو ان باتوں پر دثواس کر لے گا اسی کو شعوری مسلمان کہتے ہیں، اب ہمیں سوچنا چاہئے کہ جب ہم ہر حال میں لفظی مسلمان ہیں تو کیوں نہ ہم تو حید، رسالت اور آخرت کو مان کر اور سمجھ بوجھ کر ایک شعوری مسلمان ہو جائیں، اور بجائے الگ الگ جیون بتانے کے ایک ایسے سماج (دین) کے انوسار سب مل جل کر جیون بتائیں جس میں اپنا بھی اور پوری سنار کا بھی بھلا ہو، اور جب آپ سے پوچھا جائے کہ کیا آپ مسلمان ہیں؟ تو آپ گورو (فخر) سے کہہ سکیں، ہاں ہاں! ہم مسلمان ہیں! بلکہ آپ کے کر تو یہ کو دیکھ کر سارا سنار چیخ چیخ کر کہے کہ ہاں ہاں آپ مسلمان ہیں۔

گو یا دثواس کے ساتھ ساتھ آپ کا عمل یا کر تو یہ بھی ضروری ہے تاکہ آپ کے مسلمان ہونے سے پورے سنار کو فائدہ ہو، یہ بات چاہے لفظی مسلمان ہو یا نسلی مسلمان ہو

یا شعوری مسلمان ہو سب کے لئے ہے کہ وہ عملی مسلمان بھی ہو، ہر مسلمان کا عمل ایسا ہو کہ اپنے رب کا حق بھی ادا کرے اور سارے سنار کا بھی حق ادا کرے، اس کو حق اللہ (بھگوان کا جو ہم پر ادھیکار ہے) اور حق العباد (سنار کا جو ہم پر ادھیکار ہے) بھی کہتے ہیں۔ حق اللہ کی بنیادی باتوں پر اگر غور کیا جائے تو ہر ذمہ داری کی کوتاہی پر ایک سچے مسلمان کا دل و دماغ خود اپنے آپ سے پوچھتا ہے کہ کیا وہ مسلمان ہے؟

سب سے پہلا فریضہ جس کا نام نماز ہے جس کے لئے اقیمووا الصلوٰۃ کا لفظ بے شمار جگہ قرآن میں آیا ہے یعنی نماز قائم کرو، گویا اللہ کے آگے سر جھکاؤ، اللہ کے رسول نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ من ترک الصلوٰۃ متعمداً فقد کفر یعنی جو شخص جان بوجھ کر نماز چھوڑے تو وہ کافر ہو گیا، اب چاہے شعوری مسلمان ہو یا نسلی مسلمان ہو ذرا اپنے آس پاس کے ماحول کو دیکھئے اور ہر ایک، ایک دوسرے سے پوچھئے کہ کیا آپ مسلمان ہیں؟ آپ کا ہر دے خود ہی جواب دے دیگا کہ اگر آپ مسلمان ہیں تو کیسے مسلمان ہیں؟

حق اللہ کا دوسرا اہم جزو زکوٰۃ ادا کرنا ہے یعنی اپنے مال میں سے ڈھائی فیصد غریبوں کو دینا ہے، اس کے ادا کرنے کی بھی بہت تاکید کی گئی ہے، جو اس کو ادا نہ کرے اس کو بھی اسلام سے خارج سمجھا گیا ہے، حضرت ابو بکرؓ نے تو ایسے لوگوں کو اپنے سماج سے بالکل باہر کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، ان کی سزا بھی تجویز کر لی تھی اب ہر وہ دیکھتی جو اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے سوچے کہ اگر کوئی غریب آ کر آپ سے پوچھتا ہے کہ آپ ہم کو کیوں نہیں زکوٰۃ دیتے؟ کیا آپ مسلمان ہیں؟ اور کیسے مسلمان ہیں؟ تو آپ کا دل کیا جواب دے گا؟ اس بات کو خود اپنی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

حق اللہ کی تیسری ذمہ داری یعنی روزہ ہے جو آپ کے بھگوان کا حق بھی ہے اور غریبوں کی بھوک پیاس کا احساس بھی دلاتا ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ بنی الاسلام علی خمسۃ یعنی اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اس کو تو یہ کا انعام بھگوان سویم (خود) دے گا جو اس سے محروم ہیں ان سے روزہ خود پوچھ لے گا کہ کیا آپ مسلمان

میں؟ ہر مسلمان سوچے کہ اس کا کیا جواب ہوگا؟

اللہ کے حق کی ایک اہم ذمہ داری، وہ سالانہ کانفرنس بھی ہے جس کو حج کہا جاتا ہے، جس میں ہر گوراکالا امیر غریب ایک دوسرے کا دکھ درد سنتا ہے، سب ایک ہو کر ایک ہی جگہ میں ایک ہی بھگوان کے آگے سر جھکاتے ہیں جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ جس کے پاس پیسہ ہے اور کوئی روگ، رکاوٹ بھی نہیں پھر بھی وہ حج نہیں کرتا تو وہ اسلامی سماج میں سے نہیں ہے، چاہے وہ کسی بھی سماج کا پارٹ ہو کر مرے، ایسی باتیں سن کر سنار والے آپ سے پوچھیں گے کیا آپ مسلمان ہیں؟ اور آپ اس سوال کا کیا جواب دے سکتے ہیں، سوچ سمجھ کر بتائیے۔

یہ تو تھا حق اللہ یعنی آپ کے بھگوان کا حق آپ پر جس میں تھوڑی سی یہ امید کی جاسکتی ہے کہ شاید آپ کا بھگوان آپ کو معاف کر دے کیونکہ وہ بہت دیا کرنے والا ہے اور بہت رحیم ہے، مگر سنار والوں کا حق اگر ادا نہ کیا تو سنار والے بالکل نہیں چھوڑیں گے، مثلاً سنار کے دریاؤں کا حق ہے کہ ان کو بے وجہ خراب نہ کرو، اس دھرتی کا حق ہے کہ اس پر پیر مار کر اکڑ کر مت چلو، دھرتی کو برا لگتا ہی، چھوٹے سے چھوٹے جانور تک کا اپنا حق ہے، رسول نے ایک مرتبہ چیتوں کا گھر جلا ہوا دیکھا تو اس کی زبردست ممانعت کی۔ (ابوداؤد) اسی طرح بہت سی روایات جانوروں کے حقوق کے بارے میں ہیں مثلاً عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے چڑیا کے دو بچے پکڑ لئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان بچوں کو واپس کر دیا تا کہ بچوں کو اور اس کی ماں کو دکھ نہ پہنچے، ایک مرتبہ فرمایا کہ اتقوا اللہ فی ہیہ البہائم المعجمة بے زبان جانوروں کے بارے میں اللہ سے ڈرو (ان کو مت ستاؤ) آپ کو بتایا گیا اخذ منہ شیئاً بغیر طیب نفس فانما حبیبه یوم القیمة یعنی اگر کوئی دیکھتی زبردستی کسی سے (چاہے اسلامی سماج کا ہو یا نہیں ہو) کوئی چیز چھین لے تو میں سویم خود قیامت کے دن اس کا وکیل بن جاؤں گا اسی طرح ایک فارمولہ بنا دیا کہ کوئی دیکھتی ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک اپنے بھائی کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری)

ایک دوسرا حکم بھی سن لیجئے فرمایا گیا کہ دیکھو میرے بعد کافرنہ بن جانا آپس میں ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ کاٹ کر، ہم غور کرتے چلیں کہ ہر طرح کا مسلمان کیا کیا نہیں کر رہا ہے، اپنے بھائیوں کے ساتھ ہمارا کیا سلوک ہے اگر کوئی مظلوم بھائی آپ سے یہ پوچھ لے کہ بھائی کیا آپ مسلمان ہیں؟ تو کیا آپ اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہاں ہاں ہم مسلمان ہیں اور اگر کہتے ہیں تو کیا آپ کا دل مانے گا۔

سنار کے لوگوں کے لئے ہر مسلمان کی کیا ذمہ داری ہے چند باتیں اور دیکھ لیجئے، ایک مرتبہ قسم کھا کر تین بار یہ فرمایا کہ وہ مسلمان نہیں ہے جس کا پڑوسی اس کی تکلیفوں سے محفوظ نہ رہے۔ (بخاری، مسلم)

اگر کوئی بیمار ہے تو کہا گیا کہ عودوا المریض یعنی بیمار کی عیادت کرو، اگر کوئی بھوکا ہے تو کہا گیا اطعموا الجائع اگر کوئی قیدی ہے تو حکم ہے کہ قید سے رہائی دلو، اگر کوئی لیڈر ہے تو فرمایا گیا کہ سید القوم خادمہم یعنی قوم کا لیڈر ان کا خادم ہے، اندازہ کیا جائے کہ کیا یہ نیم اور اصول ہر لیڈر یا کوئی مسلمان اپنا رہا ہے اگر نہیں تو کیا وہ مسلمان ہونے کا حق ادا کر رہا ہے۔

آگے فرمایا کہ فلیکرم ضیفہ (ابوداؤد) یعنی مہمان کا حق ادا کرو اور مہمان نوازی کرو، ایک ارشاد ہے کہ انا و کافل الیتیم له ولغیرہ فی الجنة (بخاری) یعنی یتیم یا محتاج کی کفالت (یامدد) کرنے والا سورگ میں میرے ساتھ اتنے قریب ہو گا جتنی دو انگلیاں، مانو جاتی کے کتنے حقوق گنائے جائیں، ایک بار یہ بتایا گیا کہ تم اپنی بیٹی پر جو خرچ کرو گے اس کا بھی اجر ہے (لڑکے پر خرچ کرنے میں تو دنیوی لالچ بھی ہو سکتا ہے) ایک جگہ ہے کہ اولاد کے لئے سب سے بہترین تحفہ تعلیم و تربیت ہے۔ (مشکوٰۃ) کسی نے پوچھا کہ بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟

فرمایا گیا کہ جو تو کھائے وہی اس کو کھلائے جو تو پہنے وہی تو اس کو پہنائے، عورتوں کے حقوق کے دعویدار بھی دھیان دیں، پوچھا گیا کہ اچھے اخلاق کا کون حقدار ہے فرمایا: تیری ماں، اسی بات کو تین بار کہا گیا، تینوں مرتبہ کا جواب ماں

(عورت) ہی تھا، چوتھا درجہ باپ کا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہے، چاہے وہ شعوری مسلمان ہو یا نسلی مسلمان ہو یا وہ لفظی مسلمان جسے ہندو یا سکھ کا نام دیا جاتا ہے اور اب شعوری مسلمان بننا چاہتا ہے، سب کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ عملی مسلمان بنیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حق اللہ اور سنسار کے حقوق، جب تک ادا نہ کئے جائیں گے نہ وہ پکا سچا مسلمان ہو گا نہ اس کا فائدہ ہو گا نہ سنسار کا فائدہ ہو گا، جیون بیکار ہو گا، اپنے برادران وطن سے جو کہ لفظی مسلمان ہیں اور شعوری یا نسلی مسلمان بھائیوں سے درخواست ہے کہ سب کے لئے اک لمحہ فکریہ ہے کہ ہم اپنے کرتویہ کا پالن کریں تاکہ سنسار سے برائی دور ہو اور سنسار ایک چمن کی طرح خوبصورت بن جائے، جس کے لئے سب پہلے اپنا وشواس (توحید، رسالت، آخرت) پھر کرتویہ کے لئے حق اللہ اور حق العباد یعنی بھگوان کی عبادت اور سنسار کی خدمت اگر اپنا، نیم بنالیا جائے تو ہمارا ضمیر ہمارا دل دماغ ہم سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ کیا آپ مسلمان ہیں؟ بلکہ سنسار کا ذرہ ذرہ چیخ چیخ کر کہے گا ہاں ہاں آپ مسلمان ہیں، اور کاش آپ جیسے سب مسلمان ہوں، اس کے لئے آپس کے مت بھید مٹانے ہوں گے، صدیوں سے جو نفرتیں پٹی آرہی ہیں اس کو پریم سے بدلنا ہو گا، کچھ آپ سے کچھ ہم سے ماضی میں جو غلطیاں ہوئی ہیں ان کا اعتراف کرنا ہو گا ان کو بھلانا ہو گا، کیونکہ ہم آپ کے بغیر آپ ہمارے بغیر نہیں رہ سکتے، جب ایک ساتھ جینا مرنا ہے پورا جیون بتانا ہے کیوں نہ ہم آپ اس طرح جیون گزاریں جس میں امن ہے شانتی ہے اور جو ہمارے رسولوں کا بتایا ہوا مارگ ہے اور جس پر چل کر ہر شخص فخریہ کہہ سکتا ہے کہ ہاں ہم مسلمان ہیں۔

اسلامی معاشرہ

[معاملات اسلامی] مرتبہ:.....: شبانہ

گھر کی محدود ترین اجتماعیت سے باہر جو ایک وسیع اجتماعیت ہوتی ہے، اسے معاشرہ کہا جاتا ہے، معاشرہ کے بارے میں اسلام کا کہنا ہے کہ جن بے شمار افراد سے مل کر بنتا ہے وہ سب کے سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ خلقکم من نفس واحدۃ اس لئے پیدائشی طور پر وہ سب برابر ہیں ان میں کوئی اونچ نیچ نہیں کالے گورے ہندی عربی سب ایک درجہ کے ہیں اور ایک طرح کے حقوق رکھنے والے انسان ہیں یا نسل یا وطن رنگ یا زبان کی بنا پر ان میں کوئی تفریق نہیں ہو سکتی، درحقیقت پوری انسانیت دو گروہوں میں بٹی ہوئی ہیں۔ ایک گروہ ان لوگوں کا ہے جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، دوسرا گروہ وہ ہے جو اللہ کے دین پر ایمان نہیں رکھتے۔

پہلا: اسلامی معاشرہ: کہلاتا ہے

دوسرا: غیر اسلامی معاشرہ

ان دونوں معاشروں کی بنیادیں بالکل مختلف ہوتی ہیں اور جب بنیادیں مختلف ہوتی ہیں تو ان کے ڈھانچے بھی الگ ہوتے ہیں زندگی کے اہم معاملات میں ان کے بیچ کوئی مفاہمت نہیں ہو سکتی۔

اسلامی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلم معاشرے کے لوگوں کے ساتھ عام انسانی اخلاقیات مثلاً عدل و انصاف دیانت و امانت رحم و شفقت راست بازی اور ایفائے عہد وغیرہ کے مطابق رکھا جائے اور ہرگز ان کی خلاف ورزی نہ کی جائے، رہا مسلم معاشرہ اس کے لئے اسلام نے بڑی مفصل اور واضح ہدایتیں دی ہیں اور اسی کو اسلام کا معاشرتی نظام کہا جاتا ہے۔ موجودہ ماحول میں ہر طرف ظلم و زیادتی بے راہ

روی جنسی انار کی جہالت ناخواندگی حقوق کی پامالی عورتوں اور کمزوروں کے ساتھ ناانصافی لوٹ مار مادہ پرستی اور خود غرضی عام ہے۔ اس طرح جگڑے ہوئے معاشرہ میں مسلمان مردوں عورتوں کی ذمہ داریاں اور بڑھ جاتی ہیں معاشرہ کی خرابیوں کے ازالہ کی ہر ممکن کوشش کی جائے اللہ اور رسول کی دی ہوئی ہدایتوں کو خود بھی عمل میں لائیں اور معاشرہ میں ان ہدایتوں کو فروغ دیں۔

افراد کے تعلقات۔ بھائی چارگی ہمہ ردی تعاون اور ایثار پر قائم ہونگے۔ بھائی چارگی کیسی ہونی چاہیے اس کی وضاحت اللہ کے ان ارشادات سے ہوتی ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے۔

قرآنی آیات

(۱) مومن اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود فاقہ کی حالت میں ہوں، جیسا کہ قرآن میں فرمایا گیا و یو ثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصة (حشر) وہ اپنے اوپر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ خود بفاقہ کی حالت میں ہوں۔

(۲) لا یسخر قوم من قوم ولا نساء من نساء۔ ترجمہ: ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائیں اور عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق نہ اڑائیں۔

(۳) ولا تلمزوا انفسکم ولا تنابزو باللقاب۔

ترجمہ: ایک دوسرے پر عیب نہ لگادے اور دوسرے کا برا نام نہ رکھو

(۴) اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا

تجسسوا ولا یغتب بعضکم بعضا۔

ترجمہ: بہت زیادہ گمان آرائیوں سے بچو (کیونکہ گمان آرائیاں اکثر بدگمانیاں بن جاتی ہیں) جبکہ کچھ بدگمانیاں گناہ (گاربنادیتی) ہیں۔

(۵) تعاونوا علی البر والتقویٰ نیکی اور تقویٰ کے معاملہ میں ایک

دوسرے کی مدد کریں۔

بھلائی، خدا ترسی کے کاموں میں ہمت افزائی ایک بہت اچھی مدد ہے۔ گویا اچھے کاموں میں نہ صرف مدد کریں بلکہ ایک دوسرے کو کاموں کے لئے ابھاریں اور جوصلہ افزائی کریں۔

(۶) والمؤمنون والمؤمنات بعضهم اولیاء بعض یا مرون بالمعروف وینہون عن المنکر۔

مومن مرد و عورت ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ ایک دوسرے کو اچھائی بتائیں برائی سے روکیں (مگر حکمت عملی سے)۔

یہی مسلم معاشرہ کی خوبصورتی اور امتیازی شان ہے وہ ایک دوسرے کے دوست بن کر رہیں اور ایک دوسرے کی مشکلات کا آپس میں مل کر حل نکالیں۔
ارشادات نبوی:

(حدیث ۱): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن ہو نہیں سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو چیز وہ اپنے لئے پسند کرتا ہو۔

(حدیث ۲): مومن ایک دوسرے کے لئے عمارت کی مانند ہوتا ہے جس کا ایک جز دوسرے جز سے جدا ہوتا ہے۔

(حدیث ۳): تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں اگر جسم کے کسی ایک حصہ کو تکلیف ہوتی ہے تو پورا جسم بے خوابی اور بخار میں مبتلا ہوتا ہے
(مسلم۔ اوکما قال۔ مفہوم یہی ہے الفاظ میں کچھ تبدیلی ہو سکتی ہے)

(حدیث ۴): آپس میں حسد نہ کرو نہ نیلام میں محض دام چڑھانے کے لئے بولی نہ بولو۔ اور نہ ایک دوسرے کے لئے کینہ رکھو، نہ ترک تعلق کرو، نہ ایک دوسرے کی خرید و فروخت کے معاملہ میں مداخلت کر کے اپنا معاملہ کرنے کی کوشش کرو، بلکہ اللہ کے بندے اور بھائی بن کر رہو) یعنی ایک مسلمان دوسرے کا بھائی ہوتا ہے نہ اس

پر ظلم کرتا ہے نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑتا نہ اس کو حقیر سمجھتا ہے۔

(حدیث ۵): مسلمان کے خون کا احترام اس کے مال کا احترام اس کی آبرو کا

احترام ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (مسلم)

(حدیث ۶): ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حقوق ہیں۔

۱۔ جب اس سے ملو تو اسے سلام کرو۔

۲۔ جب مدد کے لئے پکارے تو اسے لبیک کہو۔

۳۔ جب تم سے خیر خواہی کا مطالبہ ہو تو اس کی خیر خواہی کرو۔

۴۔ جب کوئی چھینکے کے بعد الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہو۔

۵۔ جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرو۔

۶۔ جب وفات پائے تو تو اس کے جنازہ میں شرکت کرو۔

(حدیث ۷): رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کی تمہیں ایسی چیز بتلاؤں جو روزہ نماز

صدقہ سے بھی افضل ہے صحابہ نے عرض کیا ضرور بتلائیں، ارشاد نبوی ہوا: آپس کے

تعلقات ٹھیک کر دینا: اگر یہ تعلقات محبت ختم ہوتے نظر آرہے ہیں تو ماحول کے

دوسرے افراد کی ذمہ داری ہے کہ فوراً دوڑ پڑیں اور معاملات صحیح کرادیں۔

(حدیث ۸): انصر اخالت ظالما او مظلوما۔ اپنے بھائی کی مدد کرو

چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ صحابہ نے پوچھا مدد تو مجھ میں آتی ہے مگر ظالم کی کیسے مدد کی

جائے؟ فرمایا اس کا ظلم روک کر (مسلم) اس طرح معاشرہ میں کبھی بگاڑ پیدا ہی نہیں

ہوگا۔ اور معاشرہ میں برائی کبھی سر نہیں اٹھائے گی۔ کیونکہ ظالم کو اپنا بھائی سمجھ کر اس

سے نفرت کے بجائے ہمدردی کا رشتہ ہوگا۔ یہی انسانیت کی معراج ہے۔

معاشرہ میں صنفی برائیوں کے سرچشموں پر ہی زبردست پابند لگادی گئی اور ان کا

زبردست سد باب کر دیا گیا۔ آغاز سے ہی ایسی تدبیریں اختیار کی گئیں کہ انجام کی

ضرورت ہی نہیں پڑی۔

ازنا کو بدترین برائیوں میں شمار کیا گیا۔ اور اس برائی کے خلاف معاشرہ میں

شدید نفرت کے جذبات پیدا کر دیے۔ اس کو دو بچوں یا جوانوں کے: انجوائے منٹ: کا ذریعہ نہیں بنایا۔ بلکہ زنا کے مرتکب کو پتھروں سے ہلاک کرنے یا سو کوڑوں کی سزا رکھی گئی ہے یہ انتہائی عبرتناک اور دل دہلا دینے والی سزا ہے اور وہ بھی کھلے عام سزا دینے کا حکم ہے تاکہ سب عبرت حاصل کریں اور کبھی بھی ایسا کام نہ کریں بلکہ اس کے تصور سے بھی کانپ جائیں۔

۲۔ عورت میں چونکہ فطرتاً ایک کشش ہے اس لئے اس کا دائرہ کار عموماً گھر کی چار دیواری رکھا گیا، ضرورت کے تحت باہر بھی جاسکتی ہے یہ کوئی اس کے لئے جیل نہیں (بیساکہ مخالفین کہتے ہیں) بلکہ جیسے کسی قیمتی چیز کی حفاظت کی جاتی ہے اس کو وہی درجہ دیا گیا ہے۔

۳۔ مخلوط عمل۔ عورت مرد کا ایک ساتھ آزادانہ انداز، بے تکلف انداز سے بازاروں، محفلوں، مجلسوں، اسلول و کالجوں اور دفاتروں میں مل جل کر کام کرنے کو اچھا نہیں سمجھا گیا بلکہ اس کو منع کیا گیا اگر بہت مجبوری ہو تب بھی بے تکلفی سے اور بے حجابانہ انداز سے بلکہ نرمی سے بات کرنے کو منع کیا گیا ہے۔

۴۔ عورتوں بلکہ مردوں کو بھی ایسا لباس پہننے سے منع فرما دیا جس سے انسان برائی کی طرف مائل ہونہ بہت چست ہونہ ادھونگا ہونہ ہی بھڑکیلا ہو۔ بلکہ ایسی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے۔

۵۔ شرم و حیا کو ایمان کا جز قرار دیا گیا ہے۔ بے شرمی کو انسانی لعنت بتایا گیا ہے۔ کہا گیا ہے اذافات الحیاء فافعل ما شئت۔ جب حیائی نہیں رہی تو جو چاہو کرو۔ یعنی ہماری ٹیم اور جماعت کے قابل ہی نہیں رہے

۶۔ مرد و عورت دونوں کو حکم دیا گیا کہ ایک دوسرے کو تاڑنے والی یا گندی نظر سے نہ دیکھو ایک دوسرے پر خدوخال کا جائزہ لینے والی نظر مت ڈالو۔ یہ ناجائز ہے۔

۷۔ حتیٰ کہ بری باتیں برے کام بری چیزیں بری تصویریں بلکہ کسی بھی برائی کے چرچہ کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ کسی بھی برائی کو منتشر کرنا خود ایک برائی مانا گیا ہے

کیونکہ اس طرح برائی کی نفرت ہلکی ہوتی پٹی جاتی ہے

۸۔ نکاح کی خصوصی ہدایت دی گئی ہے تاکہ وہ فطری جذبات کی تسکین کریں۔ اور معاشرہ کو گندہ نہ کریں۔ نکاح کو بہت سادہ اور آسان رکھا گیا ہے چند رشتہ دار کو چھوڑ کر سب سے نکاح کی اجازت ہے عمر کی یا ذات پات کی یا ملک کی کوئی قید نہیں تاکہ پوری زندگی سکون سے گزار سکے۔ اگر پھر بھی کسی کو بھرپور سکون نہ حاصل ہو رہا ہو تو وہ چار بار تک ایک ساتھ کوشش کر سکتا ہے بالخصوص بیواؤں کا سہارا بن سکتا ہے انکا کفیل بن سکتا ہے یہ صرف مرد کے لئے نہیں بلکہ عورت بھی اپنے پہلے آنر سے آزادی لیکر کسی دوسرے گھر کی ملکہ بن سکتی ہے۔ مگر پبلک پر اپنی بن جانا اور پورے معاشرہ کو گندہ کرنا یہ انسانیت کے بھی خلاف ہے اور مذہب کے بھی خلاف۔ اس لئے نکاح عورت مرد کتنے ہی کر سکتے ہیں۔ مگر پورے معاشرہ کو تباہ نہیں کر سکتے

۹۔ ہر ایسی لت اور مشغلہ کی ممانعت کر دی گئی جو عقل کو بیکار کر دیتے ہیں، جذبات کو ابھارتے ہیں اسی لئے ناچ گانا موسیقی فلمیں یا یوٹیوب فیس بک وغیرہ پر اس انداز کی وہ تمام چیزیں جن سے شہوت پرستی ابھرتی ہے یا انسان برائی کی طرف رجحان ہوتا ہے سب ممنوع ہے۔

۱۰۔ اعتدال سے کام لینا اسلامی معاشرہ کا ایک اہم ترین جز ہے۔ چاہے وہ کھانا پینا ہو یا پیسہ کا خرچ ہو، قرآن کہتا ہے (اور تعریفی انداز میں کہتا ہے) وہ خرچ کرنے میں نہ اسراف (فضول خرچی) سے کام لیتا ہے نہ بخل (کنجوسی) سے۔ یعنی ضرورت پڑنے پر خرچ بھی کرتا ہے اور فضول لٹاتا بھی نہیں۔

۱۱۔ بے کار کاموں سے بچنا۔ یعنی کام جس میں وقت کی بربادی بھی کبھی کبھی پیسہ کی بھی بربادی ہوتی ہے اور معاشرہ کا نقصان بھی ہوتا ہے اس کے بدلے: پوزیٹو کام: پردھیان دینے کا حکم ہے۔ فرمان نبوت ہے: اچھا مسلمان ہونے کی علامت ہے کہ وہ لایعنی کاموں سے بچے:

۱۲۔ صبر و تحمل ایک اچھے مسلمان کی پہچان ہے۔ یہ بہت اہم صفت ہے بلکہ اس

کو آدھا ایمان قرار دیا ہے۔ کسی کی موت واقع ہو جائے، کوئی نقصان ہو جائے۔ کسی رشتہ دار یا دوست یا کسی کی بھی طرف سے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس پر صبر کرے۔

۱۳۔ ایسے کام کرنے کی بلکہ کسی بھی ایسی علامت کی ممانعت کی گئی ہے جس میں غیر اسلامی معاشرہ کی جھلک نظر آ رہی ہو۔ اس کو اصطلاح میں شعار اسلام کہا جاتا ہے۔ مثلاً قرشتہ لگا لینا، منگل سوتر پہن لینا۔ دھوتی پہن لینا۔ سادھو باباؤں والا لباس پہن لینا، پادریوں والی کراں ڈال لینا ہاتھوں میں کڑے پہن لینا، مالا میں ڈالنا، سینہ ور لگانا، مونچھیں بڑھانا۔

حدیث ہے کوئی مسلمان ایسی وضع اختیار نہ کرے جو غیر مسلم یا فاسق کے لئے مخصوص ہو ورنہ اس کا شمار ان میں ہی سے ہوگا (ابوداؤد)

یہ ہیں اسلامی معاشرہ کے باہمی تعلقات کی نوعیت کے چند اصول۔

بہر حال اسلامی معاشرہ کا امتیاز ہر حال میں اور ہر پہلو سے نمایاں ہونا چاہیے۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ رواداری کے دائرہ میں آتی ہے بلکہ اس طرح کا عمل مدہانت کہلاتا ہے یعنی اسلام اور غیر اسلام کا واضح فرق ملحوظ رکھنا ہماری دینی اور معاشرتی نیز اخلاقی ذمہ داری ہے کیونکہ اسلامی معاشرہ اللہ کی بات مان رہا ہے دوسرا معاشرہ اللہ کی سرکشی کر رہا ہے وہ باغی ہے اسلامی معاشرہ فرمانبردار ہے جبکہ دوسرا معاشرہ مخالف ہے۔ اس لئے سیاہ اور سفید ایک نہیں ہو سکتا، ایک مسلم (سر جھکا کر ماننے والا) ہے دوسرا نہ ماننے والا ہے۔ اللہ ہم سب کو اسلامی معاشرہ کا ایک پارٹ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اجتماعیت

[معاملات اسلامی]

مرتبہ:.....شبانہ

جس طرح بچہ کے تصور کے ساتھ ماں کی گود کا تصور لازمی آتا ہے اسی طرح انسانی زندگی کے ساتھ اجتماعیت کا تصور یقینی طور پر آتا ہے کوئی زمانہ ایسا نہیں پایا جاتا کہ انسان اجتماعیت سے خالی ہوتا رہا اس کے بے شمار آثار ہر پہلو سے موجود ہیں۔ تمدن اجتماعیت سے بے نیاز نہیں رہا اس کے بے شمار آثار ہر پہلو سے موجود ہیں۔ تمدن اور کلچر کی داغ بیل بھی نہیں پڑی تھی بلکہ انسان غاروں میں رہتا ہے تھا زراعت کے بارے میں الف ب بھی نہیں جانتا تھا مگر اس وقت بھی وہ خاندانوں کی شکل میں رہتا تھا اور اجتماعیت کو گہوارہ زندگی سمجھتا تھا پھر جوں جوں اس کا ذوق تمدن بڑھتا گیا وسیع تر اجتماعیت کی رکاوٹیں ہٹتی گئیں چھٹی گئیں۔ اجتماعیت خاندانی شکل میں پھر قبیلوں کی شکل میں پھر قوموں میں تبدیل ہوتا گیا۔ کچھ سوالات سامنے آ جاتے ہیں مثلاً۔ اجتماعیت کی کیوں ضرورت ہے اور زمانہ کی تبدیلی سے بتدریج اس کی ضرورت کیوں بڑھتی جاتی ہے۔

اجتماعیت انسان کے لئے بلکہ اکثر مخلوق کے لئے کیوں ناگزیر ہے۔ اس کے لئے بڑے بڑے دو عوامل نہایت ضروری ہیں: جنسی کشش، تعاون کی ضرورت۔

جنسی کشش: کا مطلب ہے کہ اپنے ہی جیسی مخلوق کے ساتھ رہنے کی ایک خاص فطری کشش ہوتی ہے اس کے ساتھ رہنے اس سے ملنے جلنے اس کے ساتھ ملکر ایک خاص قسم کا ماحول بنا کر اس میں زندگی گزارنے پر ایک خاص قسم کی فرحت محسوس ہوتی ہے اور ایک خاص سکون حاصل ہوتا ہے اگر یہ ماحول نہ ملے تو پھر وہ بے چین ہو جاتا

ہے اور اگر مسلسل تنہا رہنے لگے تو ایک خاص قسم کی وحشت اس پر غالب ہو جاتی ہے۔
تعاون کی ضرورت: اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی ذاتی قوتیں حد درجہ محدود
ہیں مگر اس کی ضرورتیں بہت وسیع ہیں، یہ قوتیں اس کی تمام ضرورتوں کو ہرگز پورا نہیں
کر سکتیں یقیناً اس میں دوسروں کے تعاون اور مدد کی ضرورت پڑتی ہے وہ تنہا اپنی
ضرورتوں بالکل پورا نہیں کر سکتا جب تک کسی کی مدد نہ لے حتیٰ کہ روٹی کچرا مکان بھی
اس کو جب تک نہیں حاصل ہو سکتا۔ جب تک کوئی دوسرا اس کی مدد نہ کرے۔

اجتماعیت انسان کی فطری ضرورت ہے

انسان جنسی کشش کے تحت خود بخود اپنے ہم جنس کی طرف کھینچتا ہے دنیوی
ضرورتوں کے تحت اس کھنچاؤ کا محتاج بھی رہتا ہے۔ گویا انسانی تخلیق کے ساتھ ساتھ ہی یہ
دو مضبوط ضرورت بھی اس سے منسلک رہیں جس سے بے نیازی ممکن ہی نہیں ہے گویا
یہ (جنسی کشش، باہمی تعاون والی) ضرورت انسان کے لئے لازم و ملزوم بن گئی۔ جس
کے نتیجے میں یہ مقولہ سامنے آیا کہ: انسان پیدائشی طور پر ایک سیاسی حیوان ہے: جبکہ
سیاست اجتماعیت ہی کی آخری شکل کا دوسرا نام ہے۔ مختصراً اگر اس طرح تعریف کی
جائے کہ انسان ایسا حیوان ہے جو اجتماعیت پسند ہے تو تعریف میں کوئی کمی نہیں ہوگی
۔ اسی لئے ممتاز فلسفی ارسطو کا قول ہے کہ: کہ انسان کے اندر اگر اجتماعیت پسندی والی
صفت نہ ہوتی تو وہ انسان کہلانے کے قابل ہی نہ ہوتا: علامہ ابن خلدون کا بھی مقولہ
ہے۔ انسان پیدائشی طور پر مدنیت پسند واقع ہوا ہے۔ اس لئے افراد انسانی کا ایک
ساتھ رہنا سہنا ناگزیر ہے۔ دور حاضر میں بھی اہل علم و فکر نے اس تھیوری کو ایک مسلمہ
حقیقت سمجھ کر مان لیا ہے۔

اسلام بھی اس کی بھرپور تائید کرتا ہے حالانکہ قرآن کوئی فلسفہ یا علم الاجتماع کی
کتاب نہیں کہ اس میں فلسفہ اجتماعیت پر صراحت کوئی گفتگو موجود ہو۔ مگر قرآن میں
جو بھی کہا جاتا ہے وہ برحق ہوتا ہے کیونکہ وہ انسانی عقل کا نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے اور وہ

انسانی نفسیات کے حقائق کو ملحوظ رکھ کر بات کرتا ہے۔ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن بھی انسانی فطرت کو اجتماعیت پسند ہی قرار دے رہا ہے فرمان الہی ہے: وجعل بینکم مودة ورحمة (سورہ روم۔ ۲۱) تم لوگوں کے درمیاں محبت اور رحمت (بذہ ڈال دیا) ہے۔ گویا انسان اجتماعیت کا دلدادہ ہے۔ اور اس رابطہ کے لئے محبت معاون ہوتی ہے۔

اجتماعیت کی دینی اہمیت

کتاب و سنت کے جائزہ سے یہ یقین ہو جاتا کہ اسلام نے انسانی زندگی سے اجتماعیت کو بے دخل نہیں کر رکھا ہے بلکہ اس کو جزء حیات تو کیا رکن حیات بنا رکھا ہے اور اس کے تقاضوں کو واضح طور پر تسلیم کیا ہے۔ اسلام میں کوئی پہلو یا زاویہ ایسا نہیں جہاں اجتماعیت کی ضرورت ہو اور اسے نظر انداز کر دیا گیا ہو یا جہاں اجتماعیت کی گنجائش ہو اس موقع کی تاکید نہ کی ہو۔ سورہ الحجرات آیت ۱۳ میں ہے وجعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ تمہاری قومیں اور قبیلہ بنائے باہمی جان پہچان کے لئے۔ اگر غور کیا جائے تو قرآنی ہدایات و احکامات کا ایک بڑا حصہ اجتماعیت کے لئے وقف ہے جس کی پیروی کرنا ضروری ہے۔ مثلاً اگر حقوق اللہ کے بارے میں بات ہو رہی ہے تو پھر حقوق العباد کے متعلق احکام دیے جا رہے ہیں جو یقیناً اجتماعیت ہی کی تصویر ہے اس طرح ایک پورا نظام زندگی جو اجتماعیت سے متعلق ہے قرآن میں موجود ہے چاہے وہ عائلی زندگی ہو یا سماجی زندگی ہو یا سیاسی زندگی ہو یا اخلاقی اور معاشرتی یا معاشی زندگی ہو شہری ہو یا دیہاتی زندگی ہو۔

اسلام نے اجتماعیت کا مقام بہت بلند کر دیا۔ وہ بہت اونچے مقام سے انسان کو مخاطب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا (آل عمران ۱۰۳) تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور گروہ بندی مت کرو۔ اس میں باہمی ربط خود بخود سامنے آتا ہے جس کا ذریعہ اللہ کی رسی کو کہا گیا ہے۔

عام طور پر اللہ کی رسی سے مراد قرآن ہے ایک واضح حدیث ہے کہ جناب کا ارشاد ہے میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں:

۱۔ جماعتی زندگی ۲۔ سمع (احکام سننا) ۳۔ طاعت (پھر اس کی اطاعت کرنا) ۴۔ حجرت (اللہ کے لئے گھر چھوڑ دینا) ۵۔ جہاد فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں جہاد کرنا) ترمذی جماعتی زندگی کوئی رواری کا معاملہ نہیں بلکہ اس کو اسلام نہایت سنجیدگی سے لیتا ہے اس کی خلافت و رزی پر مختلف انداز کی وعیدیں سامنے آتی ہیں بلکہ اس فرد کا ایمان مشتمل ہی نہیں بلکہ مشکوک ہو جاتا ہے ایک بہت ہی سخت قسم کی وعید والی حدیث ہے کہ: جو شخص جماعت سے بالشت بھر دور رہا کوئی شک نہیں اس نے اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے نکال پھینکا۔ (ترمذی)

ایک دوسری حدیث ہے کہ جو شخص امام المسلمین کی اطاعت سے کنارہ کشی اختیار کرے گا اور وہ اسی حال میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (مسلم)

عام اجتماعی ہدایت

عموماً جب اجتماعیت کا لفظ بولا جاتا ہے یا اجتماعی زندگی کے متعلق کچھ ذکر ہوتا ہے تو اس کے وسیع سے وسیع ترین مفہوم میں نظام حکومت کا قیام یا اسی کے دائرہ کار میں گفتگو کا سیاق و سباق ہوتا ہے حکومت و سیاست کے دائرہ کار سے باہر کی زندگی کو اجتماعیت کے زمرہ میں نہیں لایا جاتا بلکہ اس سے پہلو تہی کی جاتی ہے مگر اسلام اس عام نکتہ نظر سے آگے بڑھ کر بالکل ہی نئے انداز سے اجتماعیت کو لیتا ہے۔ اور جزئیات میں بھی اجتماعی نظم کی تلقین کرتا ہے۔ جس کے چند ثبوت مندرجہ ذیل اسلامی ہدایات سے ملتے ہیں۔

۱۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر اور ابو سعید خدری سے (چند الفاظ کے فرق کے ساتھ) مروی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسے تین آدمی جو جنگل بیابان (یا سفر) میں ہوں تو ان میں سے ایک کو امیر بنالینا چاہیے۔ اوکما قال

۲۔ (اس حدیث سے انتشار کی ممانعت کا علم ہوتا ہے) حضرت اب ثعلبہ سے مروی ہے سفر میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد ادھر ادھر منتشر ہو جاتے آنحضرت نے یہ عمل شیطان کی وجہ سے بتایا جس کے بعد سب ایک جگہ جمع ہونے لگے جیسے کہ ایک کپڑے میں آجائیں۔

۳۔ اسی طرح ایک روایت ترمذی کی ہے کہ کوئی صحابی کسی گھائی سے گزر رہے تھے وہاں کا پانی بہت میٹھا پایا خیال آیا کہ اسی جگہ قیام پذیر ہو جاؤں مگر جب رسول سے اجازت طلب کی تو آپ نے فرمایا اللہ کی راہ میں کھڑے رہنا گھر کے اندر پڑھی جانے والی تمہاری ستر نمازوں سے افضل ہے۔

نوٹ۔ اس حدیث سے واضح ہو گیا کہ اجتماعی زندگی سے پہلو تہی کر کے انفرادی زندگی اور تنہائی کی زندگی اسلام کو بالکل پسند نہیں ہو سکتا ہے اس میں کچھ فوائد ہوں مگر ان فوائد کے مقابلہ میں بالکل ہیج ہیں جو ایک منظم اسلامی معاشرہ کو حاصل ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی اجتماعیت بہت اونچی پہنچ جاتی ہے اور یہ بات کسی اور معاشرہ میں نہیں ملے گی۔

عبادتوں کے اجتماعی آداب

انسانی زندگی کا وہ شعبہ جسے عموماً عبادتی شعبہ کہا جاتا ہے اس میں عبادت کا اجتماعی تصور بڑی مشکل سے کیا جاتا ہے کیونکہ عبادت تو جتنی تنہائی میں کی جائے اتنا ہی اچھا سمجھا جاتا ہے دنیا داری اور بھیڑ باڑ سے الگ تھلگ یاد الہی میں انسان مشغول ہو جائے تاکہ وہ ہو اور اس کا خدا ہو اور اس نے ہمکلامی ہو جائے تو کیا کہنے اور سب سے ساری دنیا سے بے تعلقی ہونی چاہیے۔ عبادت خالص آخرت کا کام ہے۔ دنیا سے بے تعلقی والی بات بالکل غلط ہے، عبادت میں اجتماعیت بہت اہمیت رکھتی ہے اجتماعیت صرف گلی محلہ بستی اور گاؤں کے لئے ہی نہیں بلکہ عبادت میں بھی اجتماعیت کی ضرورت پڑتی ہے اسلام رہبانیت یا جوگزم والا مذہب نہیں ہے کہ تنہائی اور گوشہ

یعنی اختیار کر کے ”مکتی“ پالی جائے یا کوئی ”وردان“ مل جائے بلکہ ہر ہر عبادت میں بھی اجتماعیت کی ضرورت ہے۔ مثلاً:

نماز: جو اسلام کی اساسی عبادت ہے اس کو اجتماعی انداز سے ادا کرنے کو کہا گیا ہے حتیٰ کہ نماز باجماعت کی ادائیگی کی اتنی تاکید ہے کہ خود آنحضرت نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنی جگہ کسی کو نماز پڑھانے کیلئے کسی کو مقرر کر دو اور خود جا کر دیکھوں کہ کون نماز باجماعت میں نہیں آیا اور اگر کوئی بغیر نماز کو نہیں آیا تو اس کا گھر جلا ڈالوں یہ۔ یہ بات وہ شخص کہ رہا ہے جو رمتہ للعالمین ہے جو ہر شخص پر رحم اور صرف رحم ہی کرتا ہے مگر اجتماعیت سے گریز کرنے پر اس کو یہ سزا دی جا رہی ہے۔ خود نماز میں ایک ساتھ رکوع سجدہ قیام کا حکم ہے ایک ہی قبلہ کی جانب منہ کرنا ہے۔ صفوف کا خیال رکھنا ہے۔ درحقیقت نماز اجتماعیت کا نقطہ آغاز ہے۔ اگر کوئی شخص نہیں آیا تو اس کو پوچھنا ہے کہ کیا بات ہوئی کیوں نہیں آیا اگر بیمار ہے تو اس کی عیادت کرنا کوئی ضروری بات ہوئی تو مشورہ کرنا اچھی بات تو نکاح درس سننا اور درس دینا ایک زمانہ میں تو مسجد میں ایک سرساز تک ہوتی تھی۔ لہذا عبادت تک کو گوشہ نشینی والا نہیں بنایا بلکہ اجتماعیت کو ضروری قرار دیا ہے۔ اسی طرح ”زکوٰۃ“ جو ایک اہم ترین عبادت ہے بلکہ اسلام کا تیسرا اہم رکن ہے جس کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ نے مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جاتی ہے اور ضرورت مندوں کو دی جاتی ہے حالانکہ یہ عبادت ہے مگر اس میں پورے معاشرہ کے مصالح کو مد نظر رکھا گیا ہے غریبوں کی غریبی دور کی جا رہی ہے اور معاشرہ کو اونچا اٹھایا جا رہا ہے۔ اس عبادت میں ایک اور اہم نکتہ یہ ہے کہ ایک ہاتھ زکوٰۃ دے گا اور ایک ہاتھ زکوٰۃ لے گا یقیناً اس سے ایک اجتماعی تعلق بنے گا۔ اس کے دکھ درد میں شرکت کا موقع ملے گا۔ امیری اور غریبی کا فاصلہ خود بخود کم ہو گا بلکہ ختم ہو جائے گا اور معاشرہ میں ایک یونینی آئے گی۔ نیز اگر حکومت کے ذریعہ زکوٰۃ دلوائی جائے گی تو حکومت سے بھی رابطہ رہے گا اور حکومت بھی ایک ہی وقت میں امیروں اور غریبوں سے تعلقات رکھے گی تاکہ نظام صحیح رہ سکے۔ اس

زکوٰۃ کی اتنی اہمیت ہے کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ خدا کی قسم جن لوگوں نے اونٹ کی ایک رسی بھی دینے سے بھی انکار کیا جو وہ رسول کے زمانے میں (بطور زکوٰۃ دیتے تھے) تو میں ان سے جنگ کروں گا (مسلم) کیونکہ یہ عبادت معاشرہ کی اخلاقی اور اقتصادی اصلاح میں بہت ممد و معاون ہے۔ نیز حکومت وقت بھی اس عبادت میں خود بخود شامل ہے گویا یہ عبادت اجتماعیت کا سرچشمہ ہے۔ اسی طرح ”روزہ“ کا معاملہ ہے اگر غور کیا جائے تو یہ ایک منفی یعنی ”نکیٹو“ عبادت ہے اس میں اجتماعیت کی پکار بڑا دشوار مرحلہ لگتا ہے مگر کتنے خوبصورت انداز سے اس عبادت میں بھی اجتماعیت کو پنہاں کیا گیا ہے فرمایا گیا کہ ایک ہی ماہ میں سب امیر و غریب کچھ چیزوں سے رکیں اور کچھ کریں ایک ہی وقت میں سحری کریں ایک ہی وقت میں افطار گویا ایک اجتماعی ماحول ایسا بنادیا گیا کہ جیسے کہ عبادتی کیمپ لگا ہوا ہو ہر فرد کے ذہنوں میں خود بخود یہ آتا رہے گا کہ ہم سب ایک ہی مشن کے ساتھی ہیں نیز ہر امیر کو بھوک پیاس کی کڑواہٹ کا ایک ماہ تک احساس ہوتا رہے گا اور غریب تھپیڑوں سے گزرنے والوں کی کیفیات کا بذات خود اندازہ ہوتا رہے گا ہر غریب ایک ساتھ افطار کرنے کا اور پھر ایک ہی صف میں کھڑا ہو گا نماز میں تو صرف پانچ دس منٹ ایک ساتھ رہتے تھے اس میں تو پورا دن بلکہ پورے مہینہ ایک جیسے ماحول میں رہنا ہے اس سے بڑی اجتماعیت کی اور کیا دلیل ہوگی۔

اسلام کا پانچواں رکن اور ہم ترین عبادت حج: کا بھی یہی حال ہے۔ حج جو ایک سالانہ بین الاقوامی کانفرنس ہے بلکہ بہت سی عبادتوں کی تمثیل ہے یعنی جو عبادت اللہ کے برگزیدہ بندوں نے کی تھی اس کو اجتماعی طور پر ہر سال لاکھوں لوگ اسی انداز سے کریں گویا یادگار بنائیں اور خدا پرستی کی مثال قائم کریں۔ حج کا اہم رکن عرفات کے میدان میں ٹھہرنا ہے جس میں ایک امیر سب کو نماز ادا کراتا ہے اور سب کو ایڈرس کرتا ہے۔ گویا حج کے تمام ارکان اور مناسک بذبان خود یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ عبادت اجتماعیت کے بغیر ممکن ہی نہیں۔

یہ حال تو ان ارکان کا ہے جن کو عبادات کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو ارکان اسلام اخلاقیات، معاملات، سیاسیات، تجارت، ومعیشت معاشرت وغیرہ کے ضمن میں آتے ہیں ان میں تو اجتماعیت ہی اسلام کی اصل روح ہے۔ اسلام میں اجتماعیت کا مقام بہت ناگزیر ہے اجتماعیت کے بغیر اسلامی مشن یا اسلامی دعوت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ (تمت بالآخر)

اسلام میں خواتین کا مقام

مرتبہ:..... سارہ

[مسادات اسلامی]

فہرست

- (۱) خواتین کا مقام
- (۲) اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت
- (۳) اسلام میں عورت کی حیثیت
- (۴) مثالی عورتیں
- (۵) مختلف مذاہب میں خواتین کے حقوق
- (۶) اسلام میں خواتین کے حقوق
- (۷) دور جدید
- (۸) عورت کے متعلق غلط فہمیاں

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَهُ الْمَوْتُ أَوْ أَنْ يَأْتِيَهُ الْمَوْتُ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (97، نحل)

ترجمہ: جو شخص نیک عمل کرے خواہ مرد ہو یا عورت اور وہ مومن ہو تو اسے ہم ضرور زندگی دیں گے، پاکیزہ زندگی اور ہم ضرور بد لے میں ان کا اجر زیادہ اچھا دیں گے جو وہ عمل کرتے تھے۔

اسلام نے عورت اور مرد کو فطرت اور تخلیق کے اعتبار سے دونوں میں ضرور فرق رکھا ہے لیکن مقام و مرتبہ میں کوئی فرق نہیں رکھا۔ البتہ عورت (فیزیکی) کمزور ہونے کی وجہ سے کچھ ذمہ داریاں اللہ نے مرد کے اوپر ڈالی ہیں۔ یہ آیت اس حقیقت کو بیان کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رضا اپنی خوشنودی کے لئے ہر شخص کے لئے راستے کھول دئے ہیں چاہے مرد ہو یا عورت جو اچھے عمل کرے گا وہ اللہ کا مقرب ہوگا۔

اسلام سے پہلے عورت کی حیثیت

ہم آگے بڑھنے سے پہلے یہ دیکھیں گے اسلام سے پہلے عورت کی کیا حیثیت تھی اور اسلام نے اس کو کیا مقام دیا اور آج ہم کو کس طرح زندگی گزارنی ہے جس پر پل کر ہم رب العالمین کے مقرب بن سکتے ہیں۔ اگر ہم تاریخ کے اوراق پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوگا کہ پرانے زمانے میں عورتوں پر کیسے کیسے قلم ڈھائے گئے عورت کی حیثیت ایک باندی اور غلام سے بدتر تھی مرد کو عورت پر پورا اختیار حاصل تھا شوہر کتنی بھی سختی قلم کرے اسے چپ چاپ برداشت کرنا پڑتا تھا اور یہ اختیارات صرف بیوی تک ہی محدود نہیں تھے بلکہ ہر عورت کو مرد کی تابعدار ہونا یا اور اس کا حکم ماننا ضروری تھا کچھ بھی بولنے اور رائے دینے کا حق تک نہیں تھا ضرورت پڑنے پر عورت کو رہن اور دان میں بھی دیا جاتا تھا حتیٰ کے گھر کے لوگوں کو اس کی قربانی کا بھی حق تھا یہ کسی ایک ملک یا ایک قوم کی بات نہیں ہے بلکہ زمین کے ہر خطہ اور ہر قوم کی یہی کیفیت تھی۔ روم، یونان، پورپ (انگلینڈ) جس کی ظاہری شان و شوکت سے آج ہر شخص مرعوب ہے۔ وہاں بھی پہلے عورت کی یہی حالت تھی۔ عورتوں کے ساتھ جانوروں کا سا برتاؤ کیا جاتا تھا بے بنیاد الزامات لگا کر اسے زندہ جلادیا یا صلیب پر چڑھا دیا جاتا تھا۔ اور ہندوستان میں تو سب جانتے ہی ہیں کہ عورت کو بے وقوف اور شوہر کا غلام سمجھا جاتا، مرد کو قانوناً حق حاصل تھا کہ عورت کو قتل کر دے یا دیوتاؤں کے سامنے بھیج دے چڑھاتے تھے، سستی سے خود اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہندوستان میں عورتوں کی حالت کتنی دگرگوں تھی، ہندوستان کے مشہور

مقتن منوراج نے عورت کے بارے میں اپنی مذہبی کتاب میں کہا ہے کہ: ”عورت لڑکپن میں اپنے باپ کے اختیار میں رہے اور جوانی میں شوہر کے اختیار میں اور بیوہ ہونے کے بعد اپنے بیٹوں کے اختیار میں رہے، خود مختار ہو کر کبھی نہ رہے“

(منوسم تہی 5/147)

اور عرب میں عورتوں کا وجود خاندان کے لئے باعث ننگ و عار تھا لڑکی کے پیدا ہوتے ہی اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا تھا یا زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے سورہ نخل میں ان کی تصویر کشی اس طرح کی ہے:

وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُمْ بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ {58}
يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ
يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ أَلَّا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ○ {59}

ترجمہ: اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی پیدا ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر سیاہی چھا جاتی اور ان کو (زہر کا سا گھونٹ) پینا پڑتا اس شرم کے داغ سے قوم سے منہ چھپاتا پھرتا (اپنے آپ سے) کہتا ذلت کے ساتھ بیٹی کو اپنالوں یا مٹی میں دبا دوں۔

شادی کی کوئی حد نہیں تھی جتنی چاہے عورتوں کو اپنی نکاح میں رکھتے۔ ”اس طرح طلاق پر بھی کوئی پابندی نہیں تھیں مرد جب چاہتا اور جتنی مرتبہ چاہتا طلاق دیتا اور عدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا۔“ (ابوداؤد، کتاب الطلاق) سوتیلی ماں سے نکاح جاہلیت میں عام تھا۔

اسلام میں عورت کی حیثیت

إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ
وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ
وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ

وَالصَّائِمَاتِ وَالْحَافِظَاتِ فُرُوجَهُمْ وَالذَّاكِرَاتِ اللَّهَ
كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ أَعَدَّ اللَّهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَأَجْرًا عَظِيمًا ﴿35﴾
(سورۃ احزاب)

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ عورتوں کی کیسی بدتر حالت تھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پہلے عورت کو جیسے جینے کا حق ہی نہیں تھا آپ تشریف لائے عورتوں کی مظلومیت کو ختم کیا۔ 1400 سال پہلے دنیا والوں سے کہا کہ عورت بھی اللہ کی ایسی ہی مخلوق ہے جیسے مرد، زندگی میں اس کی بھی وہی حیثیت ہے جو مرد کی۔ اللہ کی طرف سے اس کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں:

وَعَايِرُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ {19} نساء

ترجمہ: عورتوں کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرو

نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٍ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (سورۃ بقرہ)

ترجمہ: وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے یعنی جس طرح لباس کے رکھ رکھاؤ اور زیب و زینت کا خیال رکھا جاتا ہے اسی طرح عورتوں کا خیال رکھو۔ اسی طرح عورت کو اسلام نے معاشی، تمدنی اور تعلیمی حقوق دئے اور اس کو مرد کے برابر سمجھا، وراثت میں اس کا حصہ قائم کیا، شوہر سے مہر دلویا، شوہر کے انتخاب میں اس کی رضامندی کو مقدم رکھا، اس کو دینی و دنیوی علوم سیکھنے کی پوری آزادی دی یہی نہیں بلکہ اسے باندی اور لونڈی کے مقام سے اٹھا کر گھر کی ملکہ بنا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری عورتوں کے حق میں رحمت ثابت ہوئی۔ والدین کی عزت و احترام اور حسن و سلوک کی ترغیب دلائی۔

بخاری کی حدیث ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اے اللہ کے رسول! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے آپ ﷺ نے فرمایا تیری ماں، اس نے کہا: پھر کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تیرا باپ پھر درجہ بہ درجہ جو تیرے قریبی لوگ ہوں۔ ایک عورت کے روپ ماں کا درجہ مرد سے بھی بڑا ہے۔

بیٹی کی حیثیت:

بیٹی کی پرورش کے سلسلے میں

(ابوداؤد) جس شخص کے کوئی بچی پیدا ہوئی اور اس نے جاہلیت کے طریقے پر دفن نہیں کیا اور نہ اس کو حقیر جانا اور نہ لڑکیوں کو اس کے مقابلے میں ترجیح دی تو اللہ ایسے لوگوں کو جنت میں داخل کرے گا، ایک اور جگہ فرمایا کہ جب کوئی شے بازار سے لاؤ تو واجب ہے کہ اس کی تقسیم لڑکی سے شروع کرو کیونکہ جو لڑکی کو عزیز رکھتا ہے اس پر جہنم کی آگ حرام ہے۔

اس کا مطلب یہی ہے کہ جس شخص کے یہاں لڑکیاں ہوں اور وہ ان کی پرورش شفقت و محبت کے ساتھ کرے وہ والدین کی بخشش کا سامان ہونگی جب لڑکی کی پرورش پر جنت کی خوشخبری اور جہنم سے نجات تو لوگوں کا حال یہ تھا کہ لڑکی کی پرورش کرنے کے لئے عدالت میں آنے لگے۔ اس وقت کا واقعہ جب حضرت حمزہ کا انتقال ہوا اس وقت ان کی لڑکی کی پرورش کے لئے تین دعویدار پیدا ہوئے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کیس آیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میری چچا زاد بہن ہے اس کی پرورش کا حقدار میں ہوں، دوسری طرف حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میری چچا زاد بہن کے علاوہ اس کی خالہ میری بیوی ہے اس حق سے میں اس کی نگہداشت کا حقدار میں ہوں، تیسری طرف حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا یہ میرے موافقہ (مہاجر) بھائی کی لڑکی ہے اس حساب سے وہ میری بیٹی ہے اور میں اس کی پرورش کی ذمہ داری مجھے ملنی چاہئے۔ دیکھئے جہاں اپنے جگر گوشوں کو امان نہیں تھا اسلام میں داخل ہوئے تو دوسروں کی اولاد کے تک محافظ و نگران ہو گئے۔

عورت بحیثیت بیوی

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

ابوداؤد حکیم بن معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے والد سے معاویہ سے روایت کرتے ہیں

انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بیوی کا اپنے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ جو تو کھائے تو اسے کھلائے اور جو تو پہنے تو اسے بھی پہنائے اور اس کے چہرے پر نہ مارے اور اس کو بدعا کے الفاظ نہ کہے اور اگر اس سے ترک تعلق کرے تو صرف گھر میں کرے۔

ابن ماجہ ”تم میں سب سے زیادہ بہترینیک وہ ہے جو اپنی بیویوں کے ساتھ سب سے زیادہ نیکی کرے اور میں تم میں سب سے زیادہ بہتر سلوک کرنے والا ہوں اپنی بیویوں سے۔“

اسلام نے عورت کو ذلت اور رسوائی کے مقام سے اتنی تیزی سے اٹھایا اور حقوق سے نوازا کہ لوگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اپنی عورتوں سے بے تکلف گفتگو کرنے سے بھی ڈرتے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم اپنی عورتوں سے گفتگو اور بے تکلفی برتتے ہوئے بھی ڈرتے تھے کہ کہیں ہمارے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہو جائے۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ: حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ جب اونٹ پر سوار ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا پیر پیش فرماتے اور وہ قدم رکھ کر بہ سہولت سوار ہو جاتیں ایک مرتبہ اونٹ کا پاؤں پھسل گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہ زمین پر گر گئے ابو طلحہ رضی اللہ عنہ اس وقت موجود تھے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مدد کے لئے دوڑے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو طلحہ پہلے عورت کی خبر لو۔

دیکھئے اس واقعہ سے ہمیں ایک عورت بیوی کے ساتھ حسن سلوک کا سبق ملتا ہے اسلام نے عورتوں کی کتنی قدر کی عورتوں کے دلوں سے دہشت ختم کی۔ اسلام سے محبت بڑھ گئی پھر انہوں نے دین کی معلومات حاصل کیں اللہ کی رضا میں اپنی زندگی کو لگایا اپنے مقام و مرتبہ کو پہچانا۔

اسلام میں مرد اور عورت برابر ہیں اسلام میں عورت اور سر بلندی کا معیار اس کی نیری و تقویٰ اور آچھی سیرت اور اخلاق ہے اور جو اس کو ٹی پر جتنا کھرا ثابت ہو گا وہ اتنا

ہی اللہ کی نگاہ میں قابل قدر اور مستحق اکرام ہو گا وہاں قیامت میں کسی سے یہ سوال نہیں کیا جائیگا کہ وہ کس طبقہ کس صنف انسانی سے تھا وہاں صرف اعمال کے مطابق فیصلہ ہو گا۔

آج ایسا لگ رہا ہے کہ عورت اپنا مقام و مرتبہ کو بھول کر بے فکری اور آزاد زندگی گزار رہی ہے زندگی کے بارے میں کوئی سنجیدگی نہیں ساری کوشش اسی مادی دنیا اور اس کی آسائشوں کے لئے وقف اور اسی زندگی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اور اس کے رسول کی تعلیم دی جنت اور دوزخ سے واقف کرایا پھر ہم کہاں بہکے جا رہے ہیں ایک عورت کے عمل سے ہی معاشرہ کی تعمیر ہوتی ہے عورت جس طرح عمل کرے گی اسی طرح اس کی اولاد اور نسلوں کی تربیت ہوگی اگر ایک مرد اچھے عمل کرتا ہے علم بھی حاصل کرنا تو یہ ایک فرد کے حاصل کرنے کے برابر ہے اگر وہی عورت علم حاصل کرے اچھے عمل کرے تو پورے خاندان نسلوں کے حاصل کرنے کے برابر ہے آج ہمارے پاس اتنے وسائل اور ذرائع ہیں کہ ہم علم حاصل کریں اخلاص کے ساتھ عمل کریں اپنے مرتبہ مقام کو سمجھیں کہ کس طرح ہماری پہلے کی عورتیں اپنے مقام و مرتبہ کو سمجھتی تھیں اور دین اسلام کے قائم کرنے میں اہم رول ادا کرتی تھیں۔

مثالی عورتیں:

بیوی: جب اللہ کا قرآن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے بوجھ سے پیشانی، پسینے میں شرابور، دل میں عجیب سا خوف محسوس ہو رہا تھا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی خدیجہ کے سامنے کہا تو ایک بیوی کس طرح اللہ کے رسول اللہ علیہ وسلم کی ڈھارس بندھائی کے اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم (۱) آپ بے کموں کی مدد کرتے ہیں، (۲) لوگوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں (۳) لوگوں کی میزبانی کرتے ہیں (۴) حقداروں کا حق دلاتے ہیں، تو اللہ آپ کو کبھی ذلیل و رسوا نہیں کرائے گا پھر اپنے چچا زاد بھائی (جو تورات، زبور اور انجیل کے بہت بڑے عالم تھے ان) کے پاس لے گئیں اور انھوں نے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے

کی تصدیق کی کس طرح بیوی نے صلی دی عرب کی مالد اور عورت دین اسلام میں آئیں اور اپنا سارا مال بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راہ خدا میں خرچ کرنے کے لئے دے دیا، آج ایک بیوی اپنا جائزہ لیں اگر شوہر دینی اجتماعت میں جاتا ہے تو آج کی عورتیں ڈرتی ہیں کہ پھر وہ اپنے گھر میں اپنی زندگیوں میں اپلائی کرینگے پھر ہماری آزادی اور شوقوں پر پابندی لگے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عورت چار مردوں کو جہنم میں لیجائیگی اور ایک حدیث کا مفہوم کہ جہنم میں سب سے زیادہ عورتوں کی ہی تعداد ہوگی اگر آج بیوی اللہ سے ڈرنے والی اور اس کے سامنے اعمال کا حساب دینے سے ڈر رکھنے والی اپنی زندگی کے ساتھ ساتھ اپنے شوہر اور اولاد کو بھی سیدھی راہ پر چلنے کے لئے معاون و مددگار ثابت ہو تو معاشرہ میں سدھارا جائے۔

مثالی ماں اور بیوی:

ماں: حضرت ہاجرہ نے سنان وادی میں جہاں کوئی پرندہ تک بھی پر نہیں مارتا تھا، وہاں بالکل اکیلی کس طرح اپنے بچہ کی تربیت کی جب جوانی کو پہنچے تو کس طرح اپنے باپ کے خواب کو پورا کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ ابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے اسے پورا کر دیجئے انشاء اللہ آپ مجھ صابروں میں پائیگی دیکھئے کس طرح حضرت ہاجرہ نے ایک اچھی بیوی اور اچھی ماں کا رول ادا کیا اللہ کو راضی و خوش کیا، رہتی دنیا تک کے لئے نیک بیوی، مثالی ماں، مثالی عورت مشہور ہو گئیں۔

مثالی بہن: حضرت عمر کی بہن نے کس طرح اپنے بھائی کو اسلام کی طرف مائل کیا۔ تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات ہیں پہلے عورتیں اپنے مقام و مرتبہ کو جانتی تھیں آج عورت دنیا کے معاملے میں تو اپنے مقام و مرتبہ مرد کے برابر سمجھتی ہیں اگر دین اسلام کا معاملہ آجائے تو کمزور اور مرد کی ماتحت بن جاتی ہیں کیوں دنیا کے معاملے میں برابر اور دین اسلام کے معاملے میں مختلف؟ جبکہ اسلام نے دونوں کو برابر کا درجہ دیا ہے دنیا کا کوئی مذہب کوئی معاشرہ اسے اتنا بلند مقام نہیں دیتا۔

اگر غور کیا جائے تو دوسرے مذاہب اور معاشرہ میں عورت کا کیا مقام ہے اور اسلام میں عورت کا کیا مقام ہے بشرطیکہ اسی نہج کو اپنایا جائے اور اگر مسلم عورتیں آج بھی اچھی ہو جائیں تو اس دنیا میں اچھائیاں اور خوبیاں پھیلیں گی اور مسلم عورتیں اچھائیوں سے پہچانی جائیں گی پھر معاشرہ بھی اچھا ہوگا ورنہ معاشرہ خراب ہوگا تو فساد ہوگا اور پھر اس کی برائی سے ہم پہچانے جائیں گے جس طرح مریم اور آسیہ کی مثال اللہ نے خوش ہو کر قرآن میں لکھ دیا ہے تاکہ قیامت تک ان کی تعریف ہو۔

سورة مريم: وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ اتَّخَذْتُمْنَ أَهْلَهَا مَكَانًا شَرِيفًا {16}

اور اس کتاب میں مریم کا ذکر کرو

(تحریم 11 میں حضرت آسیہ کا ذکر) حضرت آسیہ کیسی سرکش مرد فرعون کی بیوی جنہوں نے اچھے اوصاف و اخلاق اختیار کئے نیکی کی راہ کا انتخاب کیا تو قرآن جیسی مقدس اور ہمیشہ رہنے والی کتاب میں بطور خاص ذکر فرما کر ان کی تعریف کی۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ {120} التوبة

بے شک اللہ نیکو کاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے

اور دوسری طرف حضرت لوط اور حضرت نوح جیسی برگزیدہ ہستیوں کی گھر والیاں جنگی مذمت و برائی ہمیشہ کے لئے قرآن میں ثبت کر دی گئی جب عورت نیکی پر آتی ہے عمدہ اخلاق سے اپنے آپ کو آراستہ کرتی ہے اور اصلاح و تقویٰ کی زندگی گزارتی ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

وليس من متاع الدنيا شيء افضل من المراءة الصالحة

یعنی دنیا کی خیزوں میں نیک عورت سے افضل و بہتر کوئی نہیں

اسلام نے مرد اور عورت کے لئے مساوات ہے بلکہ عورت کو بھی زیادہ درجہ دیا گیا ہے ماں کے روپ میں جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے اور بیوی اگر شوہر کی اطاعت گزار ہو تو جنت میں جائے گی۔ جس طرح مرد اللہ کی عبادت اور بندگی کر کے اللہ

کی رضا و خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی اللہ کی عبادت و فرمانبرداری کر کے اللہ کی رضا حاصل کر سکتی ہے۔

اللہ قرآن پاک میں فرمایا:

سَابِقُوا إِلَى مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○ {21} حديد

مغفرت کی طرف ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرو یہ تو اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا دیتا ہے۔

مختلف مذاہب میں خواتین کے حقوق

مختلف مذاہب میں عورت کو کسی قسم کا اختیار اور نہ کسی چیز میں اسے حق حاصل تھا۔ شادی کے لیے اجازت، تعلیم و معاش بھی حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ دوسری شادی، خلع کا حق، گواہی، رائے مشورہ کوئی حق حاصل نہیں تھا۔ جبکہ شادی کے بعد مال کا مرد ہی وارث بن جاتا تھا۔ اسلام یہ سارے حقوق 1400 سال پہلے عورتوں کو دے دیے۔

آج کے دور میں آزادی کے نام پر بھی عورت کو کوئی حق نہیں ملا معاش و نان نفقہ کی ذمہ داری مغرب میں بیوی اور بچوں کی ذمہ داری مرد اور عورت دونوں پر ہے جبکہ اسلام میں معاش و نان نفقہ کی ذمہ داری صرف مرد پر ہے۔

مختلف مذاہب میں عورتوں کو مردوں کی طرف سے مہر کا حق حاصل نہیں بلکہ لڑکی

والوں کو ہی جہیز دینا پڑتا ہے جبکہ اسلام میں عورت کو ہی مرد کی طرف سے مہر ملتا ہے اور جہیز دینے کی بھی ضرورت نہیں کیوں کہ اسلام میں جہیز لینا دینا حرام ہے

مختلف مذاہب میں آج بھی عورت کو دوسری شادی کا حق نہیں اور نہ ہی خلع کا

حق حاصل ہے جبکہ اسلام میں عورت کو دوسری شادی اور خلع کا حق ملا ہے۔

مختلف مذاہب میں آج بھی پہلے کی طرح عورت کو کچھ کہنے بولنے اور پڑھنے کا

حق نہیں جبکہ اسلام نے یہ حق عورت کو فرض کی شکل میں حکم دیا ہے۔

مختلف مذاہب میں عورت کو وراثت میں کوئی حصہ نہیں جبکہ اسلام نے یہ حق عورتوں کو ہر روپ میں (ماں، بیوی، بہن، بیٹی) دیا۔

اسلام میں خواتین کے حقوق:

اسلام نے عورتوں کو بہت سے حقوق دیے ہیں:

(۱) روحانی اور مذہبی حقوق

(۲) معاشی حقوق

(۳) معاشرتی حقوق

(۴) تعلیمی حقوق

(۵) قانونی حقوق

(۶) سیاسی حقوق

(۱) روحانی اور مذہبی حقوق: مذہبی و روحانی حقوق کے حوالے سے **يَعْمَلُ مِنَ الصَّالِحَاتِ مَنْ ذَكَرَ أَوْ أَنْفَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَٰئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا** ○ 124 النساء

جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہونگے اور ان کی ذرہ برابر حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

معاشی حقوق:- اسلام نے تمام تر معاشی ذمہ داریاں مرد کو موپنی اور عورت پر کمانے کی ذمہ داری بالکل نہیں ڈالی۔ اسے اپنی ضرورت پوری کرنے کے لئے کام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں البتہ ایسے حالات پیدا ہو جائیں تو پوری اجازت دی شرط یہ ہیکہ یہ کام جائز اور شرعی حدود میں خصوصاً پردے میں رہتے ہوئے کیا جائے۔ جس میں عورت کا حسن و جمال نمایاں نہ ہو جیسے ماڈلنگ، اداکاری ڈانس وغیرہ یا کوئی ایسا کام جس میں عورتوں اور مردوں کا اختلاط نہ ہو۔

کاروبار: عورت کاروبار بھی کر سکتی ہے اور اگر نامحرموں سے اختلاط کا خدشہ ہو تو وہاں اسے محرم کی مدد حاصل کرنا ہوگی۔ اس سلسلے میں حضرت خدیجہ رضی اللہ کی مثال

بہترین نمونہ ہے۔ وہ اپنے دور کی بہترین تاجر تھیں۔

کمائی: عورت کمائی ہو تب بھی مرد ہی کفالت کا ذمہ دار ہے۔ عورت کو اپنی کمائی اپنے گھروالوں پر خرچ کرنا ضروری نہیں۔

بائیداد: عاقل بالغ مسلمان عورت بائیداد خرید سکتی ہے، رکھ سکتی اور بیچ سکتی ہے، خواہ شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو۔

فیصلے: عورت تمام فیصلے کر سکتی ہے جو ایک مرد کر سکتا ہے۔

یہ تمام معاشی حقوق برطانیہ میں عورت کو 1875 میں آ کر ملے اور ہندوستان میں یہ حق گزشتہ صدی میں ملا۔ جبکہ اسلام نے یہ حقوق عورت کو ڈیڑھ ہزار برس پہلے ہی دے دیا تھا۔

وراثت: اسلام نے صدیوں پہلے ہی عورت کو وراثت کا حق دیا ہے سورۃ البقرۃ، سورۃ نساء، سورۃ مائدہ میں واضح طور پر بتا دیا گیا کہ عورت ماں بیٹی بیوی بہن کی حیثیت سے وراثت میں حصہ دار ہے۔۔

نان نفقہ: اسلام نے عورت بیوی بچوں کے روٹی، کپڑے، مکان کا بندوبست شوہر کے ذمہ ڈالا چاہے بیوی کتنی ہی مالدار ہو اسلامی اصول یہ ہے کہ مرد ہی اس کا بندوبست کرے گا۔ طلاق یا علیحدگی کی صورت میں بھی عدت کے دوران بیوی کے نان نفقہ کا ذمہ دار مرد پر ہی ہے۔

مہر: شادی کے موقع پر اسے حق مہر کی صورت میں ایک تحفہ دلایا۔

(سورۃ النساء: 4)

معاشرتی حقوق: سب سے پہلے اسلام میں بیٹی کو دے گئے معاشرتی حقوق کا ذکر کرتے ہیں۔

بحیثیت بیٹی: وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ تَرْزُقُوهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا 31

بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے کہ "اپنی اولاد کو افلاس کے اندیشے سے قتل نہ کرو

ہم انھیں بھی رزق دینگے اور تم کو بھی درحقیقت انکا قتل ایک بڑی خطا ہے۔ اسلام یہ حفاظت بیٹے اور بیٹی دونوں کے لئے فراہم کرتا ہے اور قتل اولاد کو حرام قرار دیتا ہے اور قرآن میں کئی جگہ اس کی مذمت کی گئی۔ اسلام نے بیٹی کو جان کی حفاظت فراہم کی اور بیٹیوں کو قتل کا خاتمہ کیا۔ ہمارے ملک ہندوستان میں آج بھی بیٹیوں کو قتل کرنے کا سلسلہ جاری ہے بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق پتہ چلتا ہے کہ روزانہ تقریباً تین ہزار حمل ضائع کئے جا رہے ہیں جب والدین کو پتہ چلتا ہے کہ لڑکی پیدا ہونے والی ہے تو حمل ضائع کروادیا جا رہا ہے۔ اسلام نہ صرف قتل اولاد پر پابندی لگاتا ہے بلکہ اس کی مذمت بھی کرتا ہے۔

بحیثیت بیوی: پہلے مذاہب اور تہذیبوں میں عورت کو شیطان کا آلہ سمجھا جاتا تھا کہ شیطان عورت کے ذریعہ انسان کو گمراہ کرتا ہے۔ لیکن اسلام میں عورت کا تصور اس کے بالکل الٹ ہے عورت کو محض نہ کہتا یعنی شیطان سے بچنے کا ذریعہ خیال کرتا ہے جب ایک مرد کی شادی نیک عورت سے ہوتی ہے تو وہ عورت اس کے لئے شیطانی ترغیبات سے بچنے کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اسے صراطِ مستقیم پر چلانے کا باعث بنتی ہے۔ صحیح بخاری۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مسلمان جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو ضرور نکاح کرے اس طرح ان کے لئے اپنی نگاہ کی حفاظت اور پاکدامنی برقرار رکھنا آسان ہو جائے۔ ایک اور حدیث کا مفہوم کچھ یوں ہے جس نے نکاح کر لیا اس نے اپنا احادیث محفوظ کر لیا۔ (اسلام میں عورت کا تصور خاندان تشکیل دینے والی شخصیت کا ہے) اور مرد اور عورت میں سماجی حیثیت میں کوئی بھی فرق نہیں رکھا۔

بحیثیت ماں: اسلام میں اللہ کی عبادت کے بعد اہمیت والدین کے احترام کی ہے اللہ نے انسانوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنے والدین کے حق کو پہچانے اور نیک برتاؤ کرے۔

وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ۚ إِنَّمَا يُبَلِّغُنَّ
عِنْدَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا آفٍ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ

لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا {23} بنی اسرائیل

ترجمہ: اور آپ کا رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے سوا کسی اور کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر آپ کے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو "اف" تک نہ کہو اور نہ ہی ان کو جھڑکو اور ان سے عورت والی بات کرو۔

بحیثیت بہن: اسلام میں عورت کو بہن کی حیثیت سے بھی نہایت محترم قرار دیا ہے۔ اور مومن مرد اور مومن عورت ایک دوسرے کے رفیق ہیں یعنی مددگار۔

حدیث: المسلم اخ مومن مرد اور مومن عورت آپس میں بہن بھائی ہیں اسلام میں عورت کو تعلیمی حقوق:

علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ اسلام نے اس وقت خواتین کی تعلیم پر زور دیا جس وقت دنیا میں تعلیم نسوان کا کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ صحابہ کے دور میں متعدد عالمہ خواتین کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ سب سے اہم مثال تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے جس سے صحابہ کرام اور خلفائے راشدین تک ہدایت اور رہنمائی حاصل کرتے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "میں نے تفسیر قرآن، فرائض، حلال و حرام، ادب و شعر اور تاریخ عرب کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بڑھکر کوئی عالم نہیں دیکھا"۔ حضرت عائشہ علوم دینیات، طب، علم ریاضی، سائنس وغیرہ میں بھی ماہر تھیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کئی صحابیات کے علم و فضل کی شہادت ملتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے دور کی سب سے بڑی عالم خاتون تھیں۔ علم فقہ میں ماہر تھیں۔ اس طرح ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے 32 علماء نے تعلیم حاصل کی۔ بے شمار صحابیات کی مثالیں موجود ہیں۔

اسلام میں عورت کو سیاسی حقوق: مرد اور عورت محض سماجی سطح پر ہی نہیں بلکہ سیاسی سطح پر بھی ایک دوسرے کے لئے مددگار اور معاون ہیں۔ سیاسی معاملات میں بھی اپنی رائے کا اظہار کرنے تحریر ہو یا تقریر کے ذریعہ یہ کام کرنے کا حق دیا ہے اور امر

بالمعروف ونھی المنکر کا کام تو مرد اور عورت کی زندگی کے وجود کا مقصد بتایا ہے اور مرد اور عورت دونوں پر فرض ہے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ
وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ {71} توبہ

اللہ کا ارشاد ہے ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں ایک دوسرے کی معاون ہیں وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں اور نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں ان لوگوں پر اللہ ضرور رحم کریگا بلاشبہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ تہذیب و تمدن کے انقلاب عورت اور مرد کی کوشش کا نتیجہ ہیں اور دونوں کو بھی اس معاشرہ میں انقلاب لانے برابر کے دونوں حصہ دار ہیں کوئی احترام کے قابل کوئی حقیر نہیں زمانے کی اصلاح مرد و عورت دونوں کے لئے فرض عین ہیں ہمارے اسلاف کی زندگیاں ہمارے لئے ایک سب میں بڑی مثال حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا آپ کے وفات کے وقت صرف 18 سال کی تھیں 48 سال وہ بیوگی کی زندگی گزار کر کتنی مشکلات آئی ہونگی لیکن وہ اپنی زندگی کا ہر مل اسلام کیلئے وقف کر دیا تھا۔

جنگ: عورت میدان جنگ میں بھی خدمات انجام دے سکتی۔ لیکن اسلام نے مرد کو عورت کا محافظ بنایا ہے اس لئے عام حالات میں عورت کو میدان جنگ نہیں بھیجا جانا چاہئے۔ ناگزیر حالات میں آجائز دی بشرطیکہ حجاب اور اسلامی اصولوں اور اخلاقی معیار کی پابند اور پاسداری کرنا ہوگی امریکہ نے خواتین کو میدان جنگ میں آنے کی اجازت 1901 میں زس کے طور پر دی 1976 میں لڑنے کی اجازت دی اور ساتھ ہی خواتین کو برہنہ پہننے پر پابندی کرنے پر مجبور کیا گیا۔ اور 1986 میں 117 خواتین پر اجتماعی طور پر جنسی حملے ہوئے۔

جدید دور

جدید دور میں عورت کے متعلق نظریات: ایک عرصہ دراز تک عورت پر انتہائی قلم ہوتا رہا پھر جب ایک موقعہ آیا کہ صنعتی انقلاب ہوا عورتوں کی حالت بالکل الٹ گئے جدید تہذیب نے عورت کو ایک نیا مقام دیا۔ اس کو آزادی کی بلندی پر پہنچایا اور مرد کے برابر حقوق دیے اور اسے ترقی یافتہ دنیا نے خود کے بنائے ہوئے نظام اور قانون کے تحت عورت کو خود مختاری دلوائی۔ حقوق نسواں کے نام پر اس کو اتنی چھوٹ دی کہ آج وہ باغی ہو گئی۔ گھر اور خاندان کا نظام معطل ہو گیا اور بے حیائی اور بے شرمی اپنے انتہا کو پہنچ گئی۔ آزادی کا یہ غرور عورت کو عریانی اور فحاشی کی طرف کھینچ لے گیا اس نئے حقوق کو پا کر عورت جو کبھی ماں باپ اور شوہر کے خلاف سوچ بھی نہیں سکتی تھی اس نے بغاوت پر آمادہ ہو گئی، کیونکہ اب وہ آزاد ہے کسی معاملے میں بھی ان کی دست نگر نہیں رہی۔ جہاں چاہے اپنی مرضی سے جاسکتی ہے، جاب کر سکتی، آزاد زندگی گزار سکتی ہے۔ موجودہ ترقی نسواں نے اخلاق و انسانیت کی تمام قدروں کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور انسانوں کو جانوروں کی صف سے بھی نیچے گرا دیا ہے۔ موجودہ دور میں عورت کو جو حقوق دیئے ہیں اس میں عورت کو فطرت کے خلاف مرد کے حقوق بھی دیئے گئے جو فاسک خاندانی نظام کے ٹوٹنے اور معاشرے کی تباہی کے طور پر ظاہر ہو رہے ہیں پہلے زمانے میں ہزار بد اخلاقوں کے باوجود اخلاق و شرافت اور طہارت ہی انسانیت کی معرج تھی۔ یہ دور جدید نے دعویٰ کیا کہ انسان بھی دوسرے حیوانات کی طرح حیوان ہے جو اپنے اندر کچھ خواہشات، جذبات اور مطالبات رکھتا ہے تو انسان کو چاہیے کہ اسی وقتہ زندگی میں پورا جلد از جلد (تیز سے تیز) اپنی خواہشات کو پورا کرے تاکہ اس دنیا سے کوئی اس حال میں نہ جائے کہ اس کی تمنائیں اور ولولے دل ہی میں ختم ہو جائیں تو دور جدید نے فطری مطالبہ کی تسکین کیلئے حدود و قیود کو توڑ کر ایسی تہذیب و تمدن کا ایسا نقشہ بنانے میں مصروف ہو گیا جس کے ایک ایک نشان سے عیاشی اور صنفی خواہش نمایاں ہے تاکہ وہ دیکھے تو مناظر عیش دیکھے اس کی کانوں کو ایسے

نعمات سنائے کے اس کی فکر و دماغ کی قوتیں صرف تکمیل خواہشات کی راہ میں مرد کا آزادانہ اختتام فحش لڑیچہ، اخلاق فروش تعلیم، عریاں تصاویر، گندے سینیما، نشہ اور چیزوں کا استعمال غرض ہر وہ چیز جو شہوانیت کی آگ کو بھڑکائے جدید دور اور آزاد نسواں کے نعروں نے عورتوں کو پہلے گھر سے باہر نکالا پھر عورت اور مرد کے ایک ساتھ عمل دخل کو لازم کر دیا اور یہی نہیں بلکہ اس یکجائی کو اس قدر رنگین و جاذب بنا دیا کہ قدم قدم پر نگاہیں بھٹکتے لگتی ہیں اور ارادہ جواب دیتا ہے جس کا نتیجہ Homo Sexuality عام ہو گیا اور اس معاشرہ کو بدکاری کے اڈے میں تبدیل کر دیا گیا اور آج ترقی یافتہ ممالک برطانیہ، امریکہ، جرمنی، پیرس اور بھی ملک ہیں وہ کہتے کے بالغ لڑکا لڑکی کے درمیان سیکس اگر باہمی رضامندی سے ہو تو اسے کوئی جرم نہ قرار دیا جائے اس لئے کے شہریوں کی نجی زندگی میں قانون کو دخل دینے کی حاجت نہیں۔

اٹلی: اٹلی میں ایک کیس عدالت کے سامنے آیا کہ عورت اس الزام میں پیش ہوئی کہ وہ سوکوں پر صرف انڈرویو پہن کر گھومتی ہے عدالت نے یہ کہہ کر بری کر دیا کہ خوبصورت عورت کا برہنہ جسم کسی خرابی کا باعث نہیں۔

نیویارک ٹائم: کے ایڈیٹر جاپان کے دورے پر گئے وہاں سے واپسی پر انھوں نے اپنے دورے کے تاثرات شائع کئے ہیں دنیا کا عریاں شہر ”ٹوکیو“ کے عنوان کے تحت انھوں نے لکھا۔ مجھے ایک جاپانی اخبار نویس کے گھر جانے اتفاق ہوا کہتے کے جب میں گھنٹی بجا کر کھڑا ہوا تو آنے والوں کا منتظر تھا کیا دیکھا ہوں کہ ایک خاتون بھجکے ہوئے بالوں کے ساتھ بالکل برہنہ، بے جھجک نہاتے ہوئے نگلی جنرلیٹ کی بیوی کہنے لگی کہ وہ جنرلیٹ گھر پر نہیں ہے۔

موجودہ تہذیب بڑی تیزی سے اپنا مقام کھو رہی ہے اور اس کے اندر تباہی کے جراثیم داخل ہو چکے ہیں جو اس کو اخلاقی موت کی طرف لے جاتے ہیں آج اس جدید دور اور آزاد نسواں کے جو پہلو سامنے آتے ہیں اس کی وجہ سے ترقی یافتہ امریکہ ہو یا دوسرے ممالک سب پریشان میں شوہر اور بیوی کی میں اختلافات، زندگیاں ٹوٹ

رہی ہیں، ماں باپ پریشان ہیں۔ اولاد 18 سال کی ہونے جا رہی ہے اپنے فیصلے آپ کرینگے نافرمان اولاد ہوگی ہے ماں باپ اپنے سگی اولاد کی ایف۔ آئی۔ آر کر رہے ہیں۔ اس جدید دور اور آزاد نسوان تحریکوں نے عورتوں کو کہیں کا نہیں چھوڑا۔ اسلام نے عورت کی بہت قدر و قیمت کی اور کئی اختیارات اور حقوق عطا کیئے عورت و احترام اس کا تحفظ مردوں کے اوپر فرض کیا، عورت کو مالی کمزوریوں کی بنا پر مالی حیثیت سے بھی بہت زیادہ محفوظ اور مضبوط کر دیا، دنیا کے کسی مذہب نے عورت کو اتنے اختیارات نہیں دیئے۔ عورتوں اور مردوں کو اپنی حقیقی دائرہ کار بتایا

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ وَأَقِمْنَ الصَّلَاةَ وَآتِينَ الزَّكَاةَ وَأَطِعْنَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا {33}

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور پہلی جاہلیت کے زینت ظاہر کرنے کی طرح زینت ظاہر نہ کرو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور اللہ سبحانہ و تعالیٰ اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو اسے اہل بیت گندگی کو دور کرے اور تمہیں پاک کر دے، پوری طرح پاک کرنا

النَّبِيُّ قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا {59} سورة احزاب

ترجمہ: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور مومنوں اپنی عورتوں سے آپ کہہ دیں کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادر کا کچھ حصہ لٹکالیا کریں یہ زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں تو اذیت نہ دی جائیں اور اللہ ہمیشہ سے بے حد بخشنے والا نہایت رحم والا ہے۔

الغرض عورت نصف انسانیت ہے مرد انسانیت کے ایک حصے کی ترجمانی کرتا ہے تو دوسرے حصے کی ترجمانی عورت کرتی ہے عورت کو نظر انداز کر کے ہم ایسی کسی

سوسائٹی کا تصور نہیں کر سکتے جو صرف مردوں پر مشتمل ہو دونوں ایک دوسرے کے یکساں محتاج ہے عورت اور مرد کے غلط رشتے نے موجودہ تہذیب کی بنیادیں ہلا دی ہیں اور انسان کو ایک ایسے مقام پر کھڑا کر دیا ہے جہاں سکون اور چین کے ہزار سامان کے باوجود وہ ان سے محروم ہے۔ صرف اور صرف اسلامی معاشرے نے عورت اور مرد کے سماجی و جنسی تعلقات کے لئے صحیح بنیادیں فراہم کیں ان بنیادوں پر جو تعلقات استوار کئے جائیں گے وہ کامیاب ہوں گے ان کے علاوہ جس اساس پر بھی یہ تعلقات قائم ہوں گے ان کی ناکامی یقینی ہے۔ اتنا سب پڑھنے کے بعد شاید عورتیں اپنے مقام و رتبہ کو سمجھ گئیں ہونگی کے کس مقام سے اٹھائی گئیں لحاظ اب رب العالمین کے احسانات کا شکر بجالائیں اللہ اور اس کے احکامات کو دل و جان سے عمل کرے، اپنی اولاد کو، اپنے عزیزوں رشتہ داروں کو دین کی دعوت دے جاہلیت کے رسم و رواج اور جدید دور کے اثرات سے خود بھی اور دوسروں کو بھی محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ مقصد زندگی ہمیشہ نگاہ میں رکھے لوگوں میں صحیح اسلام کا شعور پیدا کرے اسلامی تعلیم کو عام کرے۔ امر بل معروف و نہی عن منکر کام میں ہی زندگی گزائے کرے جو ہمارا مقصد زندگی اور مقصد وجود ہے۔

عورت کے متعلق غلط فہمیاں

(۱) مرد قوام کیوں؟

(۲) پردہ کیوں؟

(۳) آدھی گواہی کیوں؟

(۴) جانداد میں حصہ آدھا کیوں؟

(۵) عورت پیغمبر کیوں نہیں ہو سکتی؟

(۱) مرد قوام کیوں؟ جبکہ اسلام مساوات کا سبق دیتا ہے؟

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ ۚ ۳۴ نساء "مرد عورتوں پر قوام ہیں"۔ قوام

کا لفظ اقامہ سے نکلا ہے اقامہ کے معنی کھڑے ہو جانا اور جہاں تک قوام کے معنی کا تعلق ہے تو اس لفظ کے معنی یہ نہیں ہے کہ مرد کو عورت پر ایک درجہ برتری یا فضیلت حاصل ہے بلکہ یہ ہیں کہ مرد کی ذمہ داریاں ایک درجہ زیادہ ہیں۔

(۲) پردہ کیوں؟

اسلام عورت اور مرد کو برابر سمجھتا ہے۔ عورتوں کو حکم دینے کے ساتھ ساتھ مردوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ بھی اپنی نظر نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَلِكَ أَزْكَى لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿30﴾ نور

”اے نبی! صلی اللہ علیہ وسلم مومن مردوں سے کہہ دیں اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں۔ یہ ان کے لی بڑی پاکیزگی کی بات ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں اللہ ان سے خبردار ہے۔“

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَى جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنَاتِ أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿31﴾ نور

”اور مومن عورتوں سے بھی کہہ دو یہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کیا کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے اور اپنے سینوں پر اوزھنیاں اوڑھے رہا کریں۔۔۔“

اسلامی حجاب کے جو بنیادی اصول ہیں ان پر چلنے کی پابندی خاص کر عورتوں پر

لگائی تاکہ اس کی عورت دو قار قائم رہے۔

بقرہ {282} اور اپنے میں سے دو مردوں کو ایسے معاملے میں گواہ کر لیا کرو اور

اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم پسند کرو کافی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے (یا گھبرا جائے) تو دوسری یاد دلادے گی۔

اس آیت میں گواہ بنانے کا معاملہ ہے نہ کہ گواہ بننے کا، صرف دو معاملات ایسے ہیں جہاں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے ہر معاملے میں نہیں ہے۔ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر اس لئے بھی کہ عورت فطری طور پر جو حیض کے دنوں میں تھوڑی چیر چڑی اور کمزور ہوتی ہے۔

(۴) جائداد میں حصہ آدھا کیوں؟

بیشتر صورتوں کا حصہ مردوں کے مقابلے میں آدھا ہی ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں معاشی ذمہ داریاں مرد پر ڈالی گئی ہیں اور انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لئے مرد کا حصہ زیادہ کیا گیا ہے

(۵) عورت پیغمبر کیوں نہیں ہو سکتی؟

قرآن واضح طور پر بتایا ہے کہ خاندان کا سربراہ مرد ہے سوا اگر خاندان اور گھر کا سربراہ مرد سے تو پھر قوام بھی وہی ہو سکتا ہے قوام کے اصل معنی کفیل اور گارجین کے ہیں سرداری کے نہیں ظاہر ہے پہلے وہ اپنے گھر کی اور بال بچوں کی ذمہ داری سنبھالے گی بعد میں قوم کی اصلاح اور سرداری کی طرف آئے گی۔

اسلام میں عورت کو مرد کے ساتھ آزادانہ اختلاط کی اجازت نہیں ہے ایک پیغمبر کو عام لوگوں کے ساتھ رابطے میں رہنا ہوتا ہے۔ اگر عورت پیغمبر ہوتی تو یہ ممکن نہ ہوتا کہ وہ اپنے فرائض کو انجام دے سکے اور عورت مخصوص دنوں (حیض) میں نماز، رکوٰۃ و سجود تک نہیں کر سکتی۔

وہ عبادات کو کیسے بتا پاتی بہر حال صنف نازک بے اتا بڑا بار ڈالنا دشمنی نہیں بلکہ ظلم ہے۔ بہر حال اسلام نام نہاد آزادی نہیں دیتا بلکہ حقیقی آزادی فراہم کرتا ہے۔

اسلام میں دوستی کا معیار

مرتبہ: نغمہ و جہد

[اخلاقیات اسلامی]

فہرست

- (۱) اسلام میں دوستی کے اصل معانی
- (۲) دوستی کے بارے میں احتیاط کیوں؟؟
- (۳) دوستی کا مقصد
- (۴) دوستی کا مطلوبہ معیار
- (۵) دوستوں کی قسمیں اور ایسے لوگ جن سے دوستی کرنے میں احتیاط کرنا چاہیے
- (۶) اچھی دوستی کے کچھ اہم تقاضے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ
بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ
وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ أُولَٰئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ
حَكِيمٌ 71:9

ترجمہ: مومن مرد و عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے (مددگار و معاون اور) دوست ہیں، وہ بھلائیوں کا حکم دیتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، اللہ کی اور اس کے رسول کی بات مانتے ہیں، یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ بہت جلد رحم فرمائے گا بیشک اللہ غلبے والا حکمت والا ہے۔

وَيَوْمَ يَعْصُ الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ
الرَّسُولِ سَبِيلًا - 25:27 يَا وَيْلَتَىٰ لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا -

25:28 لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا ○ 25:29

ترجمہ: اور اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا ہائے کاش کہ میں نے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی راہ اختیار کی ہوتی ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا اس نے تو مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آپہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو (وقت پر) دغا دینے والا ہے۔

67:43 ○ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ

ترجمہ: اس دن (گمہرے) دوست بھی ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے سوائے پرہیزگاروں کے۔

اسلام میں دوستی کے اصل معانی

اسلام دین فطرت ہے اور فطری تقاضوں کی تکمیل کے لئے فطری نظام عطا کرتا ہے۔ اور یہ انسانی فطرت ہے کہ کوئی بھی شخص اکیلے تنہا زندگی نہیں بسر کر سکتا۔ ہر انسان کی یہ ضرورت ہے کہ کوئی اس کا ساتھی ہو، اس کے پاس ہو، اس کا خیر خواہ ہو، محبت کرنے والا ہو، غمگسار، ہمراز، وفادار، وقت ضرورت کام آنے والا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے انسان کو سب سے پہلے protection خاندان کی دی ہے۔ رشتے داروں کی دی ہے۔ لیکن خون کے رشتوں کے علاوہ بھی کچھ تعلقات انسان کے دوسرے انسانوں کے ساتھ قائم ہوتے ہیں۔ اس رشتے کو عموماً دوستی کا رشتہ کہا جاتا ہے

رشتے دار بدلے نہیں جاسکتے لیکن دوستی اپنے مزاج کے مطابق چنی جاسکتی ہے تو آئیے دوستی کا اصل مفہوم۔

در اصل یہ لفظ ”دوست“ اس کے معنی بہت محدود رہ گئے ہیں سمجھا جاتا ہے دوستی ٹائم پاس کے لئے کسی کے ساتھ بات چیت کرنے کو کہا جاتا ہے۔ نیکو پر کھڑے رہ کر کندھے پر ہاتھ رکھنا۔ مذاق مستی کرنا، یا کبھی ساتھ ہوٹل وغیرہ چلے گئے تو چائے وغیرہ

کے پیسہ دے دئے۔ وقت ضرورت ادھار لینا دینا۔ حد سے زیادہ بے تکلفی۔ وغیرہ دوستی کا مطلب عام طور پر یہی لیا جاتا ہے۔

قرآن میں لفظ ”دوست“ کے لئے کئی الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

- (۱) صدیق - یعنی گہرا دوست سچا اور وفادار دوست دوستی نبھانے والا
- (۲) غلیل - اس دوست کو کہتے ہیں جس کو انسان تنہائی میں یاد کرے جب آپ کسی مصیبت میں پڑے ہوئے ہوں تو وہ مدد کو پہنچے، و آپ کے غم میں آپ کا سہارا بنے۔ غلیل صرف اللہ کو بنانا چاہیے۔ نبی نے فرمایا کہ: ”اگر میں کسی کو اپنا غلیل بناتا تو ابو بکر کو بناتا، لیکن وہ صرف اللہ کو بنایا جاتا ہے۔“

(۳) قرین ہمسر

(۴) رفیق - ہمدرد، ساتھی رحم دل۔

(۵) ولی مددگار، غمگسار، تکلیف میں کام آنے والا حامی و ناصر، پروٹیکٹر، گارجین، (لڑکی کے باپ کو بھی ولی کہتے ہیں)۔

سورۃ بقرہ آیت 256 اور 257 میں اللہ اپنے لیے بھی یہ لفظ ولی استعمال

کرتے ہیں۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ
بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِنْ بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ
لَهَا ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ 256:2 اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ
الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۚ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ
يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ
فِيهَا خَالِدُونَ ۝ 257:2

دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں، ہدایت ضلالت سے روشن ہو چکی ہے،

اس لئے جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے معبودوں کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا، جو کبھی نہ ٹوٹے گا اور اللہ تعالیٰ سننے والے، جاننے

والے ہے ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ تعالیٰ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے اور کافروں کے اولیاء شیطانی ہیں۔ وہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں، یہ لوگ جہنمی ہیں جو ہمیشہ اسی میں پڑے رہیں گے۔

(۶) جیم: گرم جوشی دکھانے والا، قریبی دوست۔

(۷) ولیجہ: ایسا دوست جو کسی کے معاملات میں دخل کار ہو۔

(۸) بطانت ہمارا

(۹) محبت۔ کسی چیز کو اچھا سمجھ کر اس کا ارادہ کرنا، چاہنا اور اس کے حصول کے لیے حکمت سے کام لینا۔

(۱۰) ودود۔ کسی چیز کی تمنا کرنا، انتہائی محبت کرنا۔

(۱۱) الفت۔ الف بین قلوبکم likeminded "ایسی محبت جو ہم آہنگی کی وجہ سے ہو۔"

(۱۲) صاحب۔ ساتھی ہم نشین، ساتھ بیٹھنے والے لوگ۔

یعنی دوستی ایسی چیز ہے جو دینی اور دنیوی مصلحتوں میں کام آتی ہے۔ اس کے ذریعہ ناپسندیدہ چیزوں کو دفع کیا جاتا ہے اور بہت سے خیر حاصل کئے جاتے ہیں۔ دوستی کے بارے میں احتیاط کیوں؟؟

ابوداؤد، ترمذی کی صحیح حدیث، جس کو شیخ البانی نے صحیح کہا ہے: نبی ﷺ نے فرمایا۔ "اپنے دوستوں کے بارے میں احتیاط رکھنا، اس لئے کہ ایک شخص اپنے دوست کے دین کے اوپر ہوتا ہے۔"

دوست کے دین پر ہونے کے معنی یہ ہیں کہ جب وہ دوست کی صحبت میں بیٹھے گا تو وہی جذبات و خیالات اور وہی زوق و رجحان اس میں بھی پیدا ہوگا جو دوست میں ہے اور ناپسند کا وہی معیار اس کا بھی بنے گا جو اس کے دوست کا ہے۔

یعنی اگر آپ اپنے کسی ایسے شخص کے ساتھ دوستی کر رکھی ہے جو کہ خراب ہے، شرک

کرتا ہے، کفر کرتا ہے، اور آپ اس کے قاریبی دوست ہیں، گاڑھی دوستی ہے تو آپ کا بھی شمار اس میں ہو سکتا ہے۔ یعنی آپ کے عقیدے میں بگاڑ آ سکتا ہے۔

اس لئے انسان کو دوست کے انتخاب میں انتہائی غور و فکر سے کام لینا چاہئے اور قلبی لگاؤ اس سے بڑھانا چاہئے جس کا ذوق و رجحان افکار و خیالات اور دوڑ دھوپ دین و ایمان کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

(۲) ایک شخص آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”تم ان کے ساتھ رہو گے جنت میں جن سے تم محبت کرتے ہو۔“ (صحیح بخاری)

یعنی آخرت میں تمہارا حشر ان لوگوں کے ساتھ ہو گا جن سے تم محبت کرتے ہو گے۔

(۳) حدیث (بخاری): اللہ کے رسول ﷺ فرماتے ہیں کہ ”دوست کی مثال ایسی ہے جیسے مشک کی دکان کہ ایک شخص وہاں بیٹھا ہے، عطر خریدتا نہیں ہے لیکن اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔“

مثال کے طور پر اگر کسی کا دوست اچھا ہے اور وہ نیک کام کرتا ہے اور کبھی آپ بھی اس کے ساتھ چلے جاتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح وہ کام کر رہا ہے۔ تو آپ کو بھی سیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ یا کوئی شخص کاروباری ہوتا ہے ایمانداری سے business کرتا ہے، یا کوئی خاتون جو آپ کی دوست ہے وہ اپنا گھر بہت سلیقے سے رکھتی ہیں بچوں کی تربیت بہت اچھے سے کرتی ہیں، کھانا بہت اچھا بناتیں ہیں، تو آپ کو بھی motivation ملتا ہے۔ اسی طرح اچھے دوست کی صحبت میں رہ کر آدمی بہت سارا فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

اور برے دوست کے بارے میں بھی حدیث میں بڑے پیارے انداز میں فرمایا: ”بری دوستی کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص بھٹی دھوؤں کئے والے کی دکان میں بیٹھا ہوا ہو، تو بھلے وہ وہاں کچھ کام نہ کرے مگر اس کے کپڑے تو خراب ہو ہی جائیں گے۔“ یہی بری دوست کی مثال کہ اگر کسی محلہ میں کوئی لڑکا نیا آیا ہے اور کچھ لوگوں کو

دیکھتا ہے کہ وہ نکر پر کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ یہ نہیں جانتا ہے کہ وہ لوگ کیسے ہیں۔ کوئی لڑکی وہاں سے گزری اور انہوں نے اس کا مذاق اڑایا یا چھیڑا، اب وہ لڑکی جا کر اپنے بھائیوں کو لے کر آتی ہے کہ وہ فلاں۔ فلاں گروپ جو نکر پر بیٹھا ہے وہ مجھے بتاتا ہے، تو وہ لڑکا جو آج پہلی بار ان لوگوں کے ساتھ تھا اور صرف ساتھ میں کھڑا تھا، تو کیا وہ مار کھانے سے بچ جائیگا؟ کیا اس کا شمار بھی ان لڑکوں میں نہیں ہوگا؟

لہذا برے دوست کے ساتھ رہنے میں اس کے عمل کے اثرات ہم پر بھی پڑ جاتے ہیں۔ دنیا میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ کسی کے کردار، اخلاق اور مزاج کے بارے میں پتہ کرنے کے لئے اس کے دوست کو دیکھا جاتا ہے۔ قرآن بھی ہمیں ایسے اور برے، دونوں طرح کے دوستوں کی مثال دیتا ہے۔

سورۃ قصص اور سورۃ مؤمن: ان دو سورتوں میں اللہ نے ایک دوست اور ایک دشمن کا تذکرہ کیا ہے۔ سورۃ قصص میں پہلے قارون کا قصہ آیا ہے (آیہ 78)۔

اللہ فرماتا ہے کہ قارون موسیٰ (علیہ السلام) کی قوم کا آدمی تھا، یعنی بنی اسرائیل سے تھا۔ لیکن اس نے اپنی قوم سے بغاوت کی، فرعون کے ساتھ رہنا پسند کیا، اس قوم کو چھوڑ دیا جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا پر فوقیت دی تھی بلکہ اللہ کے دشمنوں سے جاملے ہوئے ہونا ی چاہیے تھا کہ فرعون کے دربار میں رہ کر اچھے مشورے دیتا اور اپنی قوم کو فائدہ پہنچاتا۔ (جیسے یوسف (علیہ السلام) نے دربار شاہی میں رہ کر مصری لوگوں کو اچھے مشورے دئے، اپنے لوگوں کو قحط سے بچالیا تھا) لیکن یہ باغی نکلا اور فرعون کے دربار میں ہامان کے ساتھ چچہ گیری کرنے لگا اس کی ہاں میں ہاں ملانے لگا، چاپلوسی کرنے لگا اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اللہ کا پیغام فرعون کے دربار میں لے کر آئے تو ان تینوں نے کہہ دیا کہ یہ تو ساحر اور کذاب ہیں۔ (سورۃ مؤمن آیہ 24)

یہ دونوں ملکر فرعون کو موسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں بھڑکاتے ہیں اور بنی اسرائیل کے بارے میں غلط مشورے دیتے ہیں۔ اور یہ رائے دیتے ہیں کہ جو لوگ بنی اسرائیل میں سے موسیٰ (علیہ السلام) پر ایمان لائے ہیں ان کے بیٹوں کا قتل کرو

اور ان کی بیٹیوں کو زندہ رکھو۔ فرعون نے حکم دیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کر دیا جائے نہیں تو یہ تمہارا دین بدل دیگا۔ یہ غلط رائے کا اثر تھا۔

پھر اللہ تعالیٰ اسی دربار میں ایک مؤمن شخص کا ذکر کرتا ہے جس نے اپنا ایمان چھپایا ہوا تھا۔ یہ آدمی موسیٰ (علیہ السلام) اور بنی اسرائیل کا خیر خواہ ہوتا ہے اور فرعون کے ساتھ بھی خیر خواہی کا معاملہ کرتا ہے۔ ایک اچھی رائے دیتا ہے اور فرعون سے کہتا ہے کہ کیا تم ایک شخص کا قتل محض اس لئے کرو گے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ یعنی وہ یہ سمجھاتا ہے کہ فیصلے سے لوٹ آؤ۔ اگر یہ شخص (یعنی موسیٰ علیہ السلام) جھوٹ بولتا ہے تو اس کا وبال اس پر لیکن اگر یہ سچ کہتا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے اوپر اللہ کا ایسا عذاب آئے گا کہ ہم اس کو روک نہ پائیں گے۔ پھر وہ شخص اپنی قوم کو خطاب کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میری قوم، اللہ نے ہمیں آج اپنی قوم پر غلبہ دیا ہے، لیکن اگر کل اللہ ہمیں عذاب دیتا ہے تو ہماری مدد کون کرے گا؟ لیکن فرعون نے اس کی بات کو ٹھکرا دیا اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح فرعون اور اس کے ساتھیوں کو غرق کر دیا۔ گویا دوستی نہ صرف فرد پر بلکہ پورے معاشرہ پر اثر انداز ہوتی ہے، اچھا ہو یا برا۔

دوستی کا مقصد

دوستی کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ انسان اللہ کی طرف بڑھے، خیر کے کاموں کی طرف بڑھے، نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کا مددگار بنے۔ یہ نہ ہو کہ ایک دوسرے کا وقت ضائع کرے اور ایک دوسرے کے لئے اذیت، مصیبت اور تکلیف کا سبب بن جائے۔ کیوں کہ انسان انیت سے بنا ہے، انیت اس کی فطری خائش ہے اور دوستی انس کے لیے کرتا ہے، اچھا وقت گزارنے کے لیے کرتا ہے۔ حضرت آدم (علیہ السلام) بھی تنہا گھبرا گئے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) روایت کرتے ہیں کہ میں نبی کے ساتھ تھا، آپ نے فرمایا: جنت میں یا قوت کے ستون ہیں اور ان پر زبرد کے بالا خانے بنے ہوئے ہیں۔ جن کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، وہ ایسے جگمگاتے ہیں جیسے چمکتا ہوا

ستارہ جگمگاتا ہے۔ لوگوں نے پوچھا اے اللہ کے رسول وہ رہنے کے لئے کس کو ملیں گے؟
فرمایا جو آپس میں اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں، اللہ ہی کے لئے مل بیٹھتے ہیں، اللہ ہی
کے لئے ملاقات کرتے ہیں۔

لہذا دوستی کا مقصد صرف اور صرف اللہ کی محبت اور اس کی رضا ہونی چاہئے۔
آپ ﷺ نے ہمیں یہ دعاء بھی سکھائی ہے: اے اللہ! مجھے اس سے محبت دے
جو تجھ سے محبت کرتا ہے۔ وَأَسْأَلُكَ يُحِبُّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ وَحُبَّ عَمَلٍ
يُقَرِّبُنِي إِلَىٰ حُبِّكَ (مسند احمد)
دوستی کا مطلوبہ معیار

ایک شخص جس کو ہم اپنا دوست بناتے ہیں، اس میں کیا صفات ہونی چاہئے۔
اس موضوع پر بات کرنے سے پہلے یہ بات دھیان میں رکھنا ضروری ہے کہ
اچھے دوست تبھی ملتے ہیں جب ہمارا کردار بھی ویسا ہی ہو۔ سورہ توبہ (آیت 119)
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ - 119:9
اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔
لیکن اس کے لئے ہمیں بھی سچ بولنے والا ہونا ہوگا۔

Birds of a feather flock together

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ بری نیت اور بری خواہشات رکھنے والے انسانوں کو
کبھی اچھے دوست نہیں دیتا۔ ان کے خیالات اور رجحان کے مطابق ان کو دوست ملتے
ہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَابْغَضُوهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضُهُمْ 73:8
کافر آپس میں ایک دوسرے کے رفیق ہیں۔

ہم عموماً ان چیزوں سے محبت کرتے ہیں جو محبت کے قابل نہیں ہیں اور جو
چیزیں محبت کے قابل ہوں عموماً اس کی طرف سے منہ موڑے ہوئے ہوتے ہیں۔
محبت کرنا اور محبت دینا یہ دونو چیزیں انسان کی ضرورت میں سے ہیں۔ انسان

کی شخصیت کی تکمیل کرتی ہیں لیکن اس کا معیار کیا ہو؟

سب سے پہلی چیز کہ جس سے محبت کی جانی چاہئے وہ اللہ کی ذات ہے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ 2:165

اور ایمان والے اللہ کی محبت میں بہت سخت ہوتے ہیں۔

(۱) تو ہمیں دوست بھی ان لوگوں کو بنانا چاہئے جو اللہ سے محبت کرتے ہوں۔

ایسی دوستی میں خیر ہی خیر ہے وہ نہ خود کوئی حرام کام کرے گا اور نہ آپ کو حرام کی طرف بلائے گا اسے بھی گناہ سے نفرت ہوگی آپ کو بھی گناہ کی طرف نہیں لے کر جائے گا۔ (ورنہ دوستوں کی مجلس میں انسان بہت جلد گناہ کی طرف لپکتا ہے) اللہ سے محبت کرنے والے کے ہاں لغو اور بے سود چیزیں نہیں ہوں گی نہ وقت ضائع ہوگا نہ مال اور نہ صلاحیتیں۔ ایسی دوستی آپ کو بھی اللہ کے قریب کرے گی۔

جو دوستی فی سبیل اللہ ہو اس کے بہت سے فوائد ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ

فصلت میں فرمایا ہے کہ

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ

الْمُسْلِمِينَ۔ 33:41

اگر تم لوگوں سے اس بنیاد پر دوستی کرو گے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلاؤ عمل صالح کرو اور کہو کہ بیشک میں مسلمانوں میں سے ہوں اور برائی کو بھلائی سے دفع کرو تو تم دیکھو گے کہ تمہارے دشمن بھی تمہارے دوست بن جائیں گے۔

”و جمیم“ کا لفظ آیا ہے جمیم کا مطلب جگری دوست بن جانا۔ (مگر پھر آگے یہ بھی

بتا دیا گیا ہے کہ اس کام میں بے انتہاء صبر درکار ہے اور یہ بڑا ہی عزم اور حوصلہ کا کام ہے اور ایسے لوگ بڑے نصیب والے ہوتے ہیں)

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ”قیامت میں خدا فرمائے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں جو

میرے لئے دوسروں سے محبت کیا کرتے تھے؟ آج میں ان کو اپنے سائے میں جگہ دوں گا۔“ (صحیح مسلم)

حضرت ابو دردہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”قیامت کے روز کچھ لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور ان کے چہرے نور سے جگمگا رہے ہوں گے وہ موتیوں کے ممبر پر بیٹھائے جائیں گے، لوگ ان کی شان پر رشک کریں گے، یہ لوگ نہ نبی ہوں گے نہ شہید“ کسی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ”یہ لوگ کون ہیں؟“ نبی ﷺ نے فرمایا: ”یہ وہ لوگ ہیں جو آپس میں خدا کے خاطر محنت کرتے ہیں۔“ (طبرانی)

وہ دوستی جو دین کے بنیاد پر ہوتی ہے وہ باقی تمام بنیادوں سے پختہ ہوتی ہے۔ کیونکہ اس میں پھر کوئی اور غرض نہیں ہوتی، لالچ نہیں ہوتا، کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔
(۲) ہمیشہ وہ دوستی بھتی ہے جس میں اعتدال ہوتا ہے۔

حضرت عمید کنہی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) فرماتے ہیں: ”میں نے حضرت علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے سنا فرماتے تھے دوستوں سے دوستی میں نرمی اور میاں پیہ روی اختیار کرو، ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت تمہارا دشمن ہو جائے اسی طرح دشمن سے دشمنی نرمی اور اعتدال کا رویہ اختیار کرو۔ ہو سکتا ہے کسی وقت وہ تمہارا دوست بن جائے۔“ الادب المفرد (۳) دوست آپس میں وفادار، ہمدرد اور ایک دوسرے کے خیر خواہ ہونے چاہئے۔ اور سب سے بڑی خیر خواہی اپنے دوست کے ساتھ یہ ہے کہ اس کی دنیا بنانے کے ساتھ ساتھ اس کی آخرت بنانے کی فکر بھی کی جائے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ہے: ”تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے، پس اگر وہ اپنے بھائی میں کوئی برائی دیکھے تو اس کو دور کر دے۔“ (ترمذی)

لیکن اس میں بھی اعتدال کا ہونا بحد ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ عیب خواہیاں اس میں تلاش کئے جائیں یا ان کو دوسروں میں نشر کیا جائے یا پھر تنقید کا انداز دوسرے کو نیچا دکھانے والا ہو۔ صرف دوست کی خیر خواہی مقصود ہو دوستوں کے عیوب دوسروں کے سامنے بیان نہ کئے جائیں تنہائی میں جب اس کا موڈ اچھا ہو تب حکمت سے گفتگو کی جائے۔
(۴) دوستوں کی کمزوریوں کو درگزر کرنا چاہئے۔

فارسی میں ہے: خطاء و حساب دوستاں جدل است۔

نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی کمزوریوں کو درگزر کیا کرتے تھے۔

(۵) ضروری ہے کہ دوست اپنی رائے دینے والے ہوں۔

(۶) دوستی میں شرم و حیا کا ہونا بھی ضروری ہے۔ ”الحیاء من الایمان“ آج کل

کی جو دوستی ہوتی ہیں۔ INTERNET، Facebook،

پر، whatsapp، وغیرہ۔ لائن لگی رہتی ہیں دوستوں کی اس میں بے شرمی سے

باتیں ہوتی ہیں لڑکے اور لڑکیوں میں آپس میں دوستی کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ یہ

دوستی نہیں بلکہ اپنی لذت براری مطلوب ہوتی ہے۔

دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہوتے ہیں جن سے آپ متاثر ہوتے ہیں ان کی

باتیں، لباس، چال ڈھال آپ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ لیکن ان کے اندر شرم اور حیا

نہیں ہوتی بلکہ ایک صالح معاشرہ کے ساتھ چلنے کا جذبہ نہیں ہوتا۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ

مَا فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ - 2: 204

بعض لوگوں کی دنیاوی غرض کی باتیں آپ کو خوش کر دیتی ہیں اور وہ اپنے دل

کی باتوں پر اللہ کو گواہ کرتا ہے، حالانکہ دراصل وہ زبردست جھگڑالو ہے۔

ایسے لوگوں سے دوستی کرنے میں احتیاط کرنا چاہئے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَاءَ“ تو جہاں شرم و حیا کا خیال نہ

رکھا جائے تو وہیں آگے چل کر پھر زنا کے دروازے کھلتے ہیں۔ کم از کم حواس خمسہ کا زنا

تو صادر ہو ہی جاتا ہے۔ (شریعت کے تقاضوں کو پامال کر کے کوئی بھی دوستی جائز نہیں)

(۷) ماں باپ سے بھی دوستی ہونی چاہئے یعنی دوستانہ سلوک کرنا چاہئے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان کا ادب و احترام نہ کیا جائے، یا ان سے حد سے

زیادہ بے تکلف ہو جائیں۔ ایک فاصلہ رکھتے ہوئے سماجی اور شرعی احکام ان سے ہی

دریافت کرنے چاہئے، برخلاف باہر دوستوں سے غلط صحیح معلومات لینے کہ ہمیں یاد رکھنا

چاہئے کہ ماں باپ سے زیادہ اچھا خیر خواہ ہمارا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ (ہو سکتا ہے آپ کو ان کی بات وقتی طور پر اچھی نہ لگے، کیوں کہ ہمارے دوست کہتے ہیں کہ پلو فضول خرچی کرتے ہیں، یا اس کے پاس MOBILE ہے، تو آپ اگر نہیں گے کہ daddy مجھے بھی mobile دلو اور بچنے وغیرہ۔ لیکن یاد رکھئے کہ 'parents are your best FRIENDs' آپ کے ماں باپ آپ کے دوست ہیں)

یہ آپ کے ولی ہیں، آپ کے خیر خواہ ہیں اور ہمیشہ آپ کو صحیح راہی و مشورہ دیں گے، بھلے یہ آپ کو کبھی ڈانٹ دیں یا ایک آدھ تھپڑ بھی مار دیں، لیکن یہ آپ کے خیر خواہ ہی رہیں گے۔

(۸) دوست عقلمند ہونا چاہئے، عقلمند انسان کبھی بھی آخرت سے غافل نہیں ہوتا۔ ایک مشہور کہاوت بھی ہے کہ ”یوقوف دوست سے سمجھدار دشمن بھلا“۔

(۹) دوستی میں بہت زیادہ توقعات نہیں ہونی چاہئے۔ کیونکہ جس دوستی میں امیدیں اور توقعات مد سے زیادہ بڑھالی جاتی ہیں وہ دوستی زیادہ دیر تک چل نہیں پاتی ہے۔ دوستی تو وہ زیادہ چلتی ہے جس میں ایثار اور قربانی کے جزبات ہوں۔

(۱۰) سچی دوستی صرف وقتی نہیں ہوتی، صرف سامنے والے کی خوشامد نہیں ہوتی، کیونکہ وہ کسی مفاد پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ سچی محبت پر مبنی ہوتی ہے۔ a true friend he , WHEN THE WORLD walks out, IS A person .comes IN

جب لوگ آپ کا ساتھ چھوڑ دیتے ہیں تو وہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو جاتا ہے۔ ابن حجر عسقلانی نے تاریخ بغداد میں ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ امام بخاری جب نیشاپور تشریف لائے تو چار ہزار گھوڑ سواروں نے آپ کا استقبال کیا۔ ان کے علاوہ خچروں پر سوار اور پیدل چلنے والے بیشمار لوگ آپ کے استقبال کے لئے امنڈ آئے تھے۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی آیا کہ جب امام ذہلی (جو وہاں کہ بہت بڑے عالم تھے) اور آپ کے درمیان کسی سالہ پر اختلاف پیدا ہوا تو امام ذہلی نے امام بخاری کی علانیہ

مخالفت شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ایک دن اپنی مجلس میں اعلان کرادیا کہ جو شخص محمد بن اسماعیل بخاری کے جیسا عقیدہ رکھتا ہو تو وہ ہماری درسگاہ میں نہ آئے۔ تمام محفل میں خاموشی چھائی رہی صرف امام مسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے چل دئے۔ اور امام ذہبی سے جتنا کچھ پڑھ کر کتابوں کی شکل میں مرتب کر چکے تھے وہ سب کچھ ایک مزدور کے ہاتھ عمام ذہبی کے پاس واپس بھیج دیا۔ اس طرح اعلانیہ اس بات کا اظہار کیا کہ وہ امام بخاری کے ساتھ ہیں۔

اس کے علاوہ اس کی بہترین مثال صدیق (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں کہ انہوں نے آپ ﷺ کا ہر مشکل حالات میں (جبکہ سب لوگوں نے آپ ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیا تھا) ساتھ دیا۔ کہ ان بلکہ ان کیلئے جناب کو ان کے بارے میں یہ کہنا پڑا کہ ”میرے سارے ساتھیوں میں سے میں نے سب کا بدلا چکا دیا سوائے ابو بکر کے۔ اللہ قیامت کے دن ان کا بدلا خود چکائے گا۔“ ان کے لئے قرآن میں آیت اتری لَا تَحْزَنُ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا بہت کم ایسے دوست ملیں گے کہ بچھو سے خود کو کٹوالے اور دوست کو بچائے اس کے سونے کا خیال کر کے درد سے کراہے بھی نہیں۔ بغیر گواہی کے معراج کی تصدیق کر دے۔

جب (ابو قحافہ یعنی) ابو بکر کے والد ایمان لے آئے تو آنحضرت کی نفسیات اور جذبات کو سمجھتے ہوئے فرمایا کاش ان کی جگہ آپ کے چچا ابوطالب ہوتے تو آپ کو کتنی خوشی ہوتی گویا اپنے باپ کے مسلمان ہونے کی خوشی سے بڑھ کر رسول صلی اللہ کے چچا کے ایمان کی اس لئے فکر تھی کہ اس میں ان کے دوست کی خوشی تھی۔ دونوں کے مزاج میں اتنی ہم آہنگی تھی جب رسول پر وحی آئی حضرت خدیجہ سے فرمایا زملونی زملونی (مجھے چادر اڑھاؤ)

اس وقت جو تسلی کے الفاظ حضرت خدیجہ نے ان کے لئے کہے اور اس میں جناب رسول اللہ ﷺ کے جو پانچ اوصاف گنائے (۱) آپ رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرتے ہیں (۲) بے سہار لوگوں کا بار برداشت کرتے ہیں (۳) لوگوں کی مہمان

نوازی کرتے ہیں (۴) نیک کاموں میں مدد کرتے ہیں (۵) سچ بولتے ہیں امانتیں ادا کرتے ہیں { بالکل یہی اوصاف حضرت ابو بکر کے لئے ان کے صاحب نے ان کو تسلی دینے کے لئے دہرائے تھے جب انہوں نے پریشان ہو کر مکہ سے نکلنے کا فیصلہ کیا تھا گو یادوں دوست ہم مزاج بلکہ ہم اوصاف تھے اور ساری دنیا میں ان دوستوں کی ہم مزاجی، ہم اوصافی زبان زد تھی۔ جب ہی تو جناب نے فرمایا تھا میری خاطر ابو بکر کو کچھ نہ کہا کرو۔

سچی دوستی مر کر بھی باقی رہتی ہے۔ نبی ﷺ کے دوستوں کی قبریں بھی ان کے ساتھ ہیں۔ ایک سچا دوست مرنے کے بعد بھی جب اس کا دوست دنیا سے چلا جائے تب بھی اس کے لئے خیر خواہی کے جذبات رکھتا ہے اس کے لئے دعا کرتا ہے۔

اے دوست ہم نے ترک تعلقات کے باوجود

محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

دوستوں کی قسمیں اور ایسے لوگ جن سے دوستی کرنے میں احتیاط کرنا چاہیے:

دوستی کا اثر ہمارے کردار، اخلاق، culture, fashion، ہر چیز پر ہوتا

ہے، یہاں تک کہ ہماری بات چیت کے انداز میں بھی ہمارے دوست کے اثرات ہوتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ اچھی زبان بولنے والے لوگوں کی صحبت میں رہ کر لوگوں کی زبان و لہجہ درست ہ جاتا ہے بالکل یہی مثال خراب زبان بولنے والوں کی صحبت میں رہنے والوں کی بھی ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اکثر cigarette وغیرہ کی عادت بچوں کو دوستوں سے ہی ملتی ہے۔

آپ اپنی زندگی میں کسی کامیابی کی طرف بڑھ رہے ہوں یا کسی برائی کی طرف، اس میں آپ کے دوستوں کا ایک بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔

مثال، نوح (علیہ السلام) کا بیٹا۔ ساڑھے نو سو سال تک نوح (علیہ السلام) نے

اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو دعوت دی، مگر ان کا بیٹا ہی گمراہ ہو گیا۔ اس کے بگاڑ اور برے انجام کی وجہ بری صحبت ہی تھی۔ تب نوح (علیہ السلام) کے دل کا کیا عالم ہوا ہوگا

جب انہوں نے اپنے بیٹے کو اپنی آنکھوں کے سامنے اللہ کے عذاب میں ڈوبتے ہوئے دیکھا ہوگا، جس کی وجہ بری صحبت تھی۔ آج کل بھی کچھ اچھے گھرانوں کے بچے بری صحبتوں کی وجہ سے برے کاموں میں پڑ جاتے ہیں اور society میں بدنام ہو جاتے ہیں، ان ماں باپ کے دل پر کیا گزرتی ہوگی؟ آج کل کے بچے اپنے ماں باپ سے دوری رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے دوست ہی ان کے خیر خواہ ہیں، اس طرح شیطان ہمیں ہمارے اصلی خیر خواہ سے دور رکھتا ہے۔ انسان کے اندر اچھے اور برے دونوں اوصاف ہوتے ہیں، جیسی صحبت ہوتی ہے، ویسے اوصاف نکھر کراتے ہیں۔ مثال کے طور پر دور جاہلیت میں جو لوگ دشمنی اسلام میں بہت بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے، وہ اسلام لانے کے بعد اسلام کے لئے اتنے ہی مفید ثابت ہوئے۔ یہ حضور ﷺ کی صحبت کا اثر تھا جس نے نور علی نور کا کام کیا۔ مشہور کہاوت ہے کہ الإنسان يعرف من الاصدقاء، انسان اپنے دوستوں سے پہچان جاتا ہے۔

دنیا میں بعض وقتی دوست ہوتے ہیں، اپنی ضرورت کے تحت دوستی کرتے ہیں اور بعد میں دغا دیتے ہیں۔ ایسے دوستوں سے بھی محتاط رہنا چاہئے۔

علامہ عجمونی نے القوائد الدرری میں طالب علمی کے زمانے میں امام بخاری کے ساتھ پیش آنے والا ایک واقعہ بیان کیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ ایک دفع امام بخاری بحری سفر کر رہے تھے۔ سفر کے دوران ایک شخص سے ان کی ملاقات ہوئی اور اس سے وقتی طور پر دوستی بھی ہو گئی۔ باتوں باتوں میں اس نے پتہ لگا لیا کہ امام بخاری کے پاس ایک ہزار دینار ہیں۔ ایک دن نیند سے بیدار ہوتے ہی وہ شخص رونے اور چیخنے چلانے لگا۔ لوگوں نے جب اسے اس کے وجہ پوچھی تو وہ کہنے لگا کہ اس کے ایک ہزار دینار گم ہو گئے تھے۔ پھر کشتی میں سوار تمام لوگوں کی تلاشی لی گئی، لیکن وہ دینار نہیں ملے۔ لوگوں نے اس شخص کی سخت سرزدش کی کہ اسے جھوٹ بول کر تمام مسافروں کو خواہ مخواہ پریشان کیا۔ بعد میں اس شخص نے امام بخاری سے پوچھا کہ اتنے بڑے محدث ہونے کے باوجود آپ نے جھوٹ کیوں بولا؟ آپ نے فرمایا: ”میں نے جھوٹ نہیں کہا ہے

بلکہ مینے وہ پیسے سمندر میں پھینک دئے، بھلا میں کیسے برداشت کر لیتا کہ ایک ہزار دینار کے خاطر اپنے آپ پر چوری کی تہمت لگواؤں جبکہ میں نے اپنی پوری زندگی نبی کریم ﷺ کی احادیث جمع کرنے میں لگا دی ہے۔ دیانت اور امانتداری کا جو بے بہا موتی مجھے زندگی میں میسر آیا تھا، کیا میں اس کو چند ٹکڑوں کے عوض گنواں دیتا؟ دنیا میں جو لوگ برائی کو خوبصورت بنا کر دکھائیں ان کے ساتھ آپ دنیا میں تو خوش رہ سکتے ہیں لیکن آخرت میں پورا نظارہ الٹ جائے گا۔

يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ خُلَاثًا خَلِيلًا - 28:25

ہائے افسوس کاش کہ میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا

امام غزالی احیاء العلوم میں فرماتے ہیں۔

انسانوں کی مثال درخت کی طرح ہے ان میں سے بعض کا سایہ ہے لیکن پھل نہیں اور یہ اس شخص کی مثال ہے جس سے دنیوی فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اخروی نہیں (کیوں کہ دنیا کا فائدہ سایہ کی طرح ہے جو بہت جلد ہی ختم ہو جاتا ہے) اور بعض وہ درخت ہیں جن کا پھل ہوتا ہے لیکن سایہ نہیں ہوتا۔ یہ اس شخص کی مثال ہے جو آخرت کے لئے اصلاح کرتا ہے دنیا کے لئے نہیں۔ اور بعض وہ درخت ہیں جن کے پھل و سایہ دونوں چیزیں ہوتی ہیں اور باقی رہے جن میں ان دونوں میں سے ایک بھی بات نہیں ہوتی۔ نہ پھل ہوتا ہے اور نہ سایہ ہوتا ہے۔ جیسے کی بول کا درخت۔ تو ایسے کی صحبت اختیار کرو جو تمہیں پھل بھی دے اور سایہ بھی دے۔ تمہاری دنیا بھی سنوارے تمہاری آخرت بھی۔ ایک اور اہم اصول جو قرآن اور سنت کی روشنی میں ہم کو ملتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ غیر مسلموں سے دوستی قلبی محبت، رازدارانہ تعلقات نہ رکھے جائیں۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تَخْفَىٰ صُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ 3:118

هَآأَنْتُمْ أَوْلَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُواكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَثْمِلَ مِنَ الْغِيْظِ قُلْ مُؤْتُوا بِغِيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝ 3: 119 إِنَّ تَمَسُّسَكُمْ حَسَنَةً تَسُوْهُمْ وَإِنْ تُصِيبَكُمْ سَيِّئَةٌ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا وَإِنْ تُصِيبُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرَّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ۝ 3: 120

اے ایمان والو! تم اپنا دلی دوست ایمان والوں کے سوا اور کسی کو نہ بناؤ۔ (تم تو) نہیں دیکھتے دوسرے لوگ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے، وہ تو چاہتے ہیں کہ تم دھم میں پڑو ان کی عداوت تو خود ان کی زبان سے بھی ظاہر ہو چکی ہے اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ بہت زیادہ ہے، ہم نے تمہارے لئے آیتیں بیان کر دیں اگر عقلمند ہو (تو غور کرو) ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، تم پوری کتاب کو مانتے ہو، (وہ نہیں مانتے پھر محبت کیسی؟) یہ تمہارے سامنے تو اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہیں لیکن تنہائی میں مارے غصہ کے انگلیاں چباتے ہیں کہہ دو کہ اپنے غصہ ہی میں مر جاؤ، اللہ تعالیٰ دلوں کے راز کو بخوبی جانتا ہے تمہیں اگر بھلائی ملے تو یہ ناخوش ہوتے ہیں ہاں! اگر برائی پہنچے تو خوش ہوتے ہیں، تم اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کا احاطہ کر رکھا ہے۔

ہاں لیکن جہاں انسانیت کی بات آئیگی، وہاں ان کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی، رواداری وغیرہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی جائے گی اچھے اخلاق کے ذریعہ ہم ایک اچھا انسان ہونے کا ثبوت دینگے تاکہ اسلام کی اچھی تصویر ان کے ذہن میں بیٹھے تاکہ ہم اسلامی شریعت کے ہم پابند ہیں۔ اسی لئے علماء کرام نے اس کو اس طرح تقسیم کیا ہے موافقہ یعنی بھائیوں والا معاملہ کیا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مہاجرین اور انصار کے ساتھ کرایا تھا ان سے رشتہ داری بھی قائم کی جاسکتی ہے مگر جو

اللہ کے باغی اور سرکش ہیں ان سے نہ رشتہ داری کی جاسکتی ہے اور نہ ہی ”لو“ کیا جاسکتا ہے (سب سے زیادہ ”لو یا پیار“ اللہ اور اس کے رسول سے ہونا چاہیے) نہ ہی اپنے گھریلو معاملات میں ان کو دخیل بنایا جاسکتا ہے گویا خاندانی ادارہ ایک ہی فکر کے افراد میں قائم ہو سکتا ہے تاکہ گھر میں دو طرح کے نظریات نہ چلیں اور بچوں میں ”کنفیوذن“ نہ پیدا ہو مگر بحیثیت انسان، بحیثیت سماج، بحیثیت اہل وطن، ان سے تعلقات کا ایک بہت وسیع دائرہ ہے جسے اصطلاحی الفاظ میں ”معاملات“ کہا جاسکتا ہے۔ اس کے کچھ نام ہیں: مدارات، مواساة، مساوات، موالات، محاکاة۔

مواساة: ہمدردی کا جذبہ ہو ان کی دکھ تکلیف میں ہر وقت ساتھ ان کو ہسپتال کی ضرورت ہو کوئی پریشانی ہو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا جائے ہو بلکہ ایک مثالی مسلمان کا کردار نبھایا جائے۔

مساوات: کسی گواہی کا معاملہ ہو کسی مقدمہ کا معاملہ ہو لین دین کا معاملہ ہو ان تمام امور میں مسلم اور غیر مسلم سب سے برابری کا سلوک کیا جائے گا۔ موالات: دفتر کے ساتھی ہیں یا پڑوسی ہیں یا کسی بھی انداز کے ہم نشین ہیں ہم جلیس ہیں ان سے دوستی کا معاملہ کیا جائے گا ان کے ساتھ تجارت، معیشت، سیاست وغیرہ کے معاملات کے جاسکتے ہیں (مگر ان کو راز دار نہیں بنایا جائے گا)

مدارات: ان کے دکھ کے ساتھ ساتھ ان کی خوشیوں کی تقاریب میں بھی شرکت کی جاسکتی ہے خاص کر اگر دعوت دین کی نیت سے شرکت کی جائے مگر ان کی شرعیہ تقاریب میں ہرگز شرکت نہیں کی جائے گی (خاص کر مذہبی شرعیہ تقاریب میں) محاکاة، ان سے تمام امور پر گفتگو کی جاسکتی ہے بالخصوص مذہبی امور پر (مگر جہاں توہین الہ یا توہین رسالت کا خوف ہو اور آپ مغلوب ہوں وہاں پر ہینر کرنا چاہیے)

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم

رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

اپنی دوستی کے کچھ اہم تقاضے

رفقاء کے تعلقات میں مزید خوشگواہی پیدا کرنے کے لئے ایک دوسرے کے دکھ میں تعاون، ایک دوسرے کی خوشی اور غم میں شرکت، ایک دوسرے کو اول پناہ اٹھانے کی کوشش، ایک دوسرے سے خندہ پیشانی و خوشدلی کے ساتھ ملاقات، ایک دوسرے پر سلام بھیجنے میں سبقت اور وسعت قلب و نظر کا معاملہ کرنا چاہئے۔ دوستوں سے خلوص و محبت کا اظہار کرنے اور محبت کو اور بڑھانے کے لئے ہدیوں اور تحفوں کا تبادلہ بھی کرنا چاہئے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجا کرو۔ تو آپس میں محبت پیدا ہوگی۔ اور دلوں کی کدورت جاتی رہیگی۔"

رفقاء کی غیبت، بدگمانی، بدظنی، بغض و حسد کے جذبات و میلانات تعلقات میں بگاڑ پیدا کرنے والی باتیں ہیں۔ ہمیں ان چیزوں سے بچنا چاہئے اور ایک دوسرے سے خوش گمانی، ایک دوسرے کی عزت کی حفاظت اور ایک دوسرے کے لئے دلوں کو صاف و پاک رکھنا چاہیے۔ اگر کبھی چھوٹی موٹی باتوں میں آپس میں اختلاف رونما ہو گیا ہو تو فوراً آپس میں ملکر اسے رفع دفع کر لینا چاہیے۔ انہیں تو بات چھوٹی ہی کیوں نہ ہو، دیر ہونے سے تعلقات مزید بگڑنے کی گنجائش ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ پہل کرنے والے رفقاء کو اجر کی بشارت ہے۔ اگر کوئی غلطی ہو جائے تو فوراً معذرت کر لینا چاہئے اور سامنے والے کو بھی اس کی معذرت قبول کر لینی چاہئے۔ ایک دوسرے کے ساتھ عفو و درگزر کے معاملے سے تعلقات میں خوشگواہی رونما ہوتی ہے۔

ایسا ملا کر وہ کریں لوگ آرزو ایسا رہا کر وہ زمانہ مثال دے
اپنے دوستوں کے لئے دعاء کا خصوصی اہتمام کرنا چاہئے اور ان سے بھی دعاء کی درخواست کرنی چاہئے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "جب کوئی مسلمان اپنے بھائی کے لئے غائبانہ دعاء کرتا

ہے تو خدا اس کو قبول فرماتا ہے اور دعاء کرنے والے کے سرہانے ایک فرشتہ مقرر رہتا ہے کہ جب وہ شخص اپنے بھائی کے لئے اچھی دعاء کرتا ہے تو فرشتہ آمین کہتا ہے اور کہتا ہے تیرے لئے بھی وہی کچھ ہے جو تو اپنے بھائی کے لئے مانگ رہا ہے۔
(صحیح مسلم)

قرآن میں بھی ہمیں یہ دعاء سکھائی گئی ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۝ 10:59

اے ہمارے پروردگار! ہمیں بخندے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھیجو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں اور ایمانداروں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بیشک تو شفیق تو مہربان ہے۔

دوستی عام ہے لیکن اے دوست
دوست ملتا ہے بڑی مشکل سے۔
وہ شخص انتہائی خوش نصیب ہے جس کو اس کے
دوست احباب عزیز رکھتے ہوں اور وہ دوست احباب کو
عزیز رکھتا ہو۔ اور وہ شخص انتہائی محروم ہے جسے لوگ
بیزار ہوں اور وہ لوگوں سے دور بھاگتا ہو۔ مفلس وہ
نہیں ہے جس کے پاس دولت نہ ہو، بلکہ حقیقت میں
سب سے بڑا مفلس وہ ہے جس کا کوئی دوست نہ ہو۔
دوست کی زندگی زینت، سفر حیات کا سہارا اور خدا کا
انعام ہے۔ اس لئے اچھے دوست بنائے

اقامت دین

[سیاست اسلامی]

مرتبہ:.....وسیم

اقامت عربی کا لفظ ہے جس کے معنی قائم کرنا قائم رکھنا ہیں دین بھی عربی لفظ ہے اس کے کئی معنی ہیں مگر ان سب میں مشترک طور پر طریقہ، تابعداری، جیسا مفہوم ضرور ہے۔ جس کا خلاصہ یہی ہے کہ اللہ کے بتا ہوئے طریقہ کو قائم کرنا۔

جب سے انسان نے شعوری زندگی کا آغاز کیا اس نے اپنے رہن سہن کے طور طریقہ بنانے اور اپنانے شروع کر دیے اس کو مذہبی اصطلاح میں دین کہا جاتا ہے۔ اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے بھرپور مدد کی اور بے شمار انبیاء کرام بھیج کر انسان کو دنیوی زندگی (جو اخروی زندگی کا پیش خیمہ ہے اس کے) گزارنے کا بدرجہ طریقہ بتایا گیا۔ نبی آخر الزماں کے ذریعہ نہ صرف یہ طریقہ بتایا گیا بلکہ یہ بھی کہہ دیا گیا کہ آج سے یہ دین مکمل ہو گیا الیوم اکملت لکم دینکم۔

تمہارا دین یعنی تمہارا: دنیوی سماج: اخروی زندگی کے لئے بنا کر دے دیا گیا اور اسے مکمل کر دیا گیا اس کی گائیڈ لائن تمہیں آخری نبی کے ذریعہ دے دی گئی ہے اب تم حالات اور زمانہ کے تحت اس کی جزئیات میں توضیح و تشریح کرتے رہنا، اور نبی کے بتائے ہوئے طریقہ پر عمل کرتے رہنا۔ ہاں اگر زندگی گزارنے کا پورا طریقہ (یعنی دین یا اس کے بنیادی اصول ہی بدلنے کی کوشش کی تو تم کو سرکش اور منکر مانا جائے گا کیونکہ دنیا میں رہنے کے جو طریقہ نبیوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے سکھائے ہیں وہی دین یا سماج ہے، ارشادِ بانی ہے:

ان الدین عند اللہ الاسلام

اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندگی گزارنے کا طور طریقہ اسلام والا ہی ہے (جس میں

سر جھکا کر اسی کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلنا ہے)

یہی دین یا زندگی گزارنے کا طریقہ یا سماج آنحضرت ﷺ کے بعد صحابہ کرام اور تابعین تک آسانی سے چلتا رہا۔ مگر خیر قرون کے ختم ہوتے ہی۔ دین کا مفہوم بدلنے لگا بلکہ اس کا مرکز محور ہی بدلنے لگا۔ جغرافیائی توسیع نے تاریخی تبدیلی کے امکان اور بڑھادے۔ پھر آہستہ آہستہ جزئیات کی تشریح و توضیح کے بجائے دین کے اساسی اور بنیادی نکات بھی، حالات حاضرہ کی ڈگر پر چلنے لگے اس وقت کے حالات علمی اعتبار سے یونانی فلسفہ منطق کا مطالبہ کر رہے تھے اور عملی اعتبار سے رہبانیت جو گزرم بدھ ازم کا تقاضا کر رہے تھے، جس کا رد کرتے کرتے ایک وقت ایسا آیا کہ علمی اور عملی اعتبار سے اسی کو اپنایا جانے لگا حالانکہ اس وقت بھی کچھ مسلم دانشوروں نے حالات حاضرہ کے سیلاب پر بندھ لگانے کی کوشش کی مثلاً امام غزالی نے فلسفہ منطق کا رخ مذہبی عقائد اور توحید کی جانب موڑ کر: علم کلام: جیسے فن کو ایجاد کیا، اسی طرح حسن بصری اور دیگر مفکرین نے عمل صالح یا تزکیہ نفس جیسی اسلامی اصطلاحات پر زور دیا اور تصوف جیسی رائج الوقت اصطلاحات سے بچنے کی کوشش کی مگر آہستہ آہستہ خود ان ہی کے نام پر رائج الوقت اصطلاحات عام ہوتی چلی گئیں بلکہ صدیوں پرانے فرسودہ خیالات یا شرمیہ نظریات بھی دینی الفاظوں کے ساتھ اسلامی افکار میں داخل ہوتے چلے گئے۔ تصوف اور منطق کی اصلاحات کو قرآن و حدیث سے مستدل کیا جانے لگا ہر آیت کے ہر حدیث کے ظاہری باطنی معنی کا نام دیکر فلسفہ اور تصوف کی نئی نئی شاخیں نکال دی گئیں بے شمار اصطلاحات بنادی گئیں بے شمار موضوع احادیث اور غیر ثقہ واقعات دلیل بن گئے جس سے باطل نظریات کو مزید تقویت ملی۔ اور پھر ایک وقت ایسا آ گیا کہ اسلامی فکر اپنے اصلی محور سے ہٹا گیا حتیٰ کہ خود ساختہ اصطلاحات اور خود ساختہ اعمال زیادہ متعارف ہو گئے آہستہ آہستہ عمل رسول عمل صحابہ کی پیروی گھٹتی گئی اور رسول و صحابہ کے اعمال صالحہ و افکار طیبہ اجنبی بنتے چلے گئے اور ایک سادہ سا ”نظام حیات“ یا ”دین اسلام“ (جس کو رسول نے بتلایا اور صحابہ نے چل کر دکھلایا تھا) اچھا خاصہ فلسفہ اور مشکل اعمال کا ایسا گورکھ دھندہ بن گیا جس پر پبلک کو چلنا اور اس کو سمجھنا انتہائی مشکل ہو گیا۔ سوائے دین

کے چند ٹھیکیداروں کے جو سلاطین وقت کے یا حالات حاضرہ کے غلام تھے۔

حالانکہ اس زمانہ کے حق پرست اور حق پسند حضرات اس خود ساختہ دین سے نکلنے کی کوشش کرتے رہے، تیسری اور چوتھی صدی میں علامہ ابن حزم جیسی شخصیت نے کچھ اصلاحات کیں مگر پوری طرح کامیابی نہیں ملی۔ اس کے بعد بھی گاہے بگاہے کچھ افراد سامنے آتے رہے کبھی اب تیمیہ کبھی ابن قیم علامہ دقیق العید اور معروف ائمہ کرام و علماء عظام کافی حد تک اسلامی فکر کو شرکیہ افکار و اعمال سے پاک و صاف رکھنے کی کوشش کرتے رہے، اسی طرح کی کوشش سترھویں اٹھارویں صدی میں شیخ سرہندی، شاہ ولی اللہ دہلوی اور عبد الوہاب نجدی، قاسم نانوتوی بھی تجدید احیاء دین کے نام سے کرتے رہے اور کافی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

انیسویں صدی عیسوی میں خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے بعد اس اصلاحی کوشش نے ایک نئے انداز سے جنم لیا، جس کو جدید اصطلاح میں سیاست، حکومت، دعوت، یا اقامت دین بھی کہا جاسکتا ان الفاظ اور افکار کو پھر سے متعارف کرانے میں اور ان کی تجدید میں بہت بڑا ہاتھ حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی حسن بنا، سید قطب شہید، علامہ اقبال جیسی شخصیات کا رہا ہے۔ ابوالکلام آزاد، اورائل دیوبند، ندوۃ العلماء یا بریلی وغیرہ کے علماء سے بھی کچھ مدد ملی مگر یہاں سے اختلاف کی آوازیں زیادہ آئیں اتفاق کی کم۔

تجدید کا مطلب ہوتا ہے اس چیز کو یا اس بات کو دہرا دیا جائے جس کو بھلایا جا چکا تجدید کا مطلب کوئی نئی اختراع نہیں ہے۔ چونکہ حالات نے دین اور اقامت کے مفہوم پر اپنی گرد و غبار ڈال دی تھی اس کو ہٹانے کا کام ان حضرات نے کیا جس پر سارا زمانہ چیخ پڑا کیونکہ صدیوں سے زمانہ اس گرد و غبار کے ساتھ دین کو سمجھنے کا اور عمل کرنے کا عادی تھا۔ دین کا مفہوم ہی صدیوں سے بدلا ہوا تھا۔ اور دین قائم کرنے کا مطلب درود و فاتحہ تسبیح چلہ کشی مزارات جبہ قبہ قوالی اور نورانیت روحانیت کے چرچہ کرنا تھا اور اسی کو قائم کرنا اور رکھنا تھا۔ تو یقیناً اس زمانہ کے لئے یہ بالکل نئی چیز بلکہ نیا دین نظر آئے گا اور واقعی یہی ہوا تجدید کے معنی اصل کو دہرانے کے بجائے اصل

میں نئی چیز ڈالنا بن گئے۔ اور پھر تقریباً ایک صدی سے چہار جانب سے یہی یلغار ہو رہی ہے کہ دین کے نئے معنی بنالیے گئے ہیں دین نورانیت روحانیت ترک دنیا کا نام ہے دنیا داری اور دنیا کے امور میں مشغول ہونا ان میں پھنسنا دین نہیں ہے۔ آخر کار تجدیدی کام کا بے شمار رکاوٹوں کے بعد اس طرح آغاز کیا گیا کہ دین کے صحیح مفہوم کو پھر سے بتایا گیا کہ: دین: کسی انسان کا پرائیویٹ معاملہ نہیں ہے اور نہ ہی دین صرف پوجا پاٹ کا نام ہے اور نہ ہی دین اور دنیا کی کوئی الگ راہیں ہیں بلکہ دین اسلام کا مطلب پورا نظام حیات ہے جس میں گھر باہر کی زندگی یکساں چلتی ہے انسان جن اخلاقی، اعتقادی اصولوں کے تحت انفرادی زندگی گزارتا ہے اسی طرح ان اخلاقی سماجی اصولوں کے تحت اجتماعی زندگی گزارنی چاہیے اگر وہ گھر میں سچ بولتا ہے تو باہر بھی سچ ہی بولے گا وہ نماز روزہ میں اللہ اور اس کے رسول کے احکام کا خیال رکھتا ہے تو وہ تجارت میں سیاست میں بھی خیال رکھے گا اور صرف اپنے ہی لئے نہیں بلکہ پورے معاشرہ کے لئے تنگ و دو کرے گا کہ پورا معاشرہ انہیں اصولوں پر چلے لہذا۔ لفظ دین کا مفہوم اگر آج کی زبان میں سماج کر لیا جائے تو بہت سے مسئلے حل ہو جائیں جبکہ ہر ایک چاہتا ہے کہ ہمارا سماج اچھے سے اچھا ہو جائے۔

بے شمار آیات اس جانب اشارہ کرتی ہیں:

(۱) وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون ○ عمومی طور پر عبادت

کا مفہوم کچھ مخصوص مناسک یا عبادات یعنی بس پوجا پاٹ اور پرستش والا انداز سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ عبادت سے مراد اللہ کے بتائے ہوئے زندگی گزارنے کے ہر طریقہ کو قائم رکھنا اور قائم کرنا ہی عبادت ہے جس کے لئے ہمیں پیدا کیا گیا۔ ایک جگہ ارشاد ہے

(۲) ادخلو فی السلم کافۃ (پوری پوری پیروی کرو) جو ہم سب کا خالق

و مالک ہے اس ہی کی ہر لمحہ ہر جگہ بات ماننا چاہئے وہ خلوت ہو یا جلوت۔ ظاہر ہو یا باطن۔ اپنا گھر یا خاندان ہو یا اپنا ملک ہو یا دنیا کا کوئی کونہ ہو۔ تمہارا انفرادی معاملہ ہو یا اجتماعی معاملہ تجارت سیاست معیشت معاشرت، ثقافت و ادب ہو سب میں اس کی

پیروی کرو۔

ایک مقام پر اس طرح ارشاد ہوا ہے۔

(۳) شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا

الیک وما وصینا بہ ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ ان اقیمو الدین تمہارے لئے (کوئی نیا نہیں) وہی دین (یا سماج) ہے جس کی ہم نے نوح کو وصیت کی تھی اور جس کی ہم نے تمہیں وحی کی اور اسی کا ہم نے ابراہیم موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ دین (اللہ کا بتایا ہوا طور طریقہ سماج) قائم کرو۔ یہ بھی فرمان الہی ہے۔ (۴) هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ۔

جس میں بعثت انبیاء بالخصوص رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں وجہ بتائی گئی کہ جو دین وہ لائے ہیں وہ تمام ادیان پر غالب رہے اس طرح کی آیات کا مفہوم صدیوں سے سمجھا گیا اور بتایا گیا کہ یہ کام اب نہیں ہو سکتا یہ رسول کے زمانہ کے لئے حکم تھا۔ ہمیں دین کی نورانیت اور روحانیت کو غالب کرنا ہے اس کے نتیجہ میں بطور انعام ہمیں غلبہ سماج بھی مل جائے تو کوئی حرج نہیں کوشش کی کیا ضرورت ہے، حتیٰ کہ آج کے کچھ نئے اسکالر حضرات بھی [جو خود وہ بلکہ ان کے اتاذ بھی مولانا مودودی سے مستفیض ہیں] اپنی انفرادیت قائم کرنے کیلئے اسی روش پر چلنے کی کوشش کر رہے ہیں حالانکہ یہ آیت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ (جس نے رسول اکرم کو دین حق اور ہدایت کے بھیجا تا کہ تمام دین پر اس کی حقانیت واضح اور غالب رہے) یعنی رسول کے آنے کا مقصد ہی یہی تھا کہ رسول زندگی گزارنے کے: الہی اصول: بتائیں اور اس پر چل کر دکھلائیں تا کہ دنیوی اور اخروی زندگی میں کامیابی ملے اور بقیہ خود ساختہ اصولوں پر: الہی اصول: کے فوائد اور اس کی حکمتیں اس کی حقانیت بالکل واضح اور عیاں ہو جائے اور اللہ کے بتائے ہوئے اصول (یعنی دین ہی سب پر غالب ہو اور) نافذ ہو چاہے اغیار کو ناگوار ہی گزرے کیونکہ وہ اس سماج کے فائدے ابھی تک پورے انداز سے نہیں سمجھ پا رہے ہیں، حالانکہ اسی میں ساری انسانیت کی بھلائی ہے انسان کا اپنا

بنایا ہوا سماج اپنے بتائے ہوئے طور طریقہ انسانی جذبات کے ساتھ انسانی کمزوریوں کے ساتھ اور حالات سے متاثر ہو کر سامنے آئیں گیں جس میں کچھ فوائد اور کچھ نقص بھی ہونگے۔ جبکہ پورا فائدہ اور غلبہ خدائی اصول میں ہی ہے اس لئے اس دین کو نہ صرف خود ماننا ہے بلکہ حتی الامکان نہایت حکمت عملی سے دوسروں کو سمجھا کر بتلا کر ان سے بھی منوانے کی اور نافذ کرنے کی کوشش کرنا ہی اقامت دین ہے، کیونکہ اقامت دین کی یہ اصطلاح بتلاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف تکوینی حاکم نہیں ہے بلکہ تشریعی حاکم بھی وہی ہے وہ کہتا ہے کہ

(۵) وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ
اظالمون ○ جو اللہ کے نازل کردہ قوانین کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہ فاسق یا ظالم ہیں۔ دنیوی سماج اگر ان قوانین پر چلے گی جو اس کے بتائے ہوئے ہیں تو گویا اللہ کو حاکم مانا جا رہا ہے ورنہ اللہ کے سرکش گردانے جائیں گے اور سرکشی ختم کر کے للہی سماج کو جاری کرنا ہی اقامت دین ہے۔

مگر اقامت دین ایک نہایت سنجیدہ عمل ہے اس فریضہ کو جذبات میں بہہ کر یا متشدد بن کر انجام دینے سے نقصان ہوگا بلکہ اگر نیت میں خیر نہیں تو ثواب بھی نہیں ملے گا۔ لہذا نہایت حکمت عملی سے جماعت صالحہ کے ساتھ مل کر انجام دینا ہے۔ تاکہ پوری دنیا کو اپنے ملک کو اور اپنے آپ کو دین و دنیا کا فائدہ حاصل ہو۔

اللہ کرے یہی ہر مسلمان کا نصب العین ہو، (آمین)

شریعت اسلامی

[علمیات]

مرتبہ:.....مبیینہ

شرع لکم ما وصی بہ نوحا و ابراہیم۔ الخ
تمہارے لئے دینی قانون مشروع کر دیا جو نوح ابرہیم (وغیرہ) کے لئے تھا،
شریعت کے عربی میں قانون کے معنی ہوتے ہیں۔ اصطلاحاً دینی قانون کے لئے
استعمال ہونے لگا۔

اس دینی قانون یعنی شریعت کی اصل قرآن و حدیث ہے۔

جس نے شریعت دی اس کو شارع کہا جاتا ہے ظ

شریعت قانون اور دین کا مطلب ہے رہن سہن کا طریقہ، گویا دنیا میں رہن سہن
اور زندگی گزارنے کا قانون کو ہی اسلامی شریعت کہا جائے گا۔

شریعت اسلامی دنیا کے تمام انسانوں کے لئے راہنمائی کا ایک روشن چراغ
ہے لیکن جو اس کی صداقت پر ایمان لائے وہی انسان اس سے ہدایت پاسکتا ہے اور
اسی کے لئے وہ رحمت ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک ایسی کامیاب شاہ راہ پوری امت کو
دے گئے ہیں جس پر خود بھی چل کر دکھا دیا، سورہ ماء دہ میں ارشاد خداوندی ہے:

تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ کیا کرو جو حق تمہارے پاس آیا
ہے ان سے منہ نہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی مت کرو ہم نے تم میں سے ہر ایک
کے لئے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے۔

شریعت کی مزید تفصیل سے جانکاری کے لئے شریعت سے متصل ایک لفظ
”دین“ ہے اس کی بھی تھوڑی سی جانکاری لے لیں۔ دین کے تقریباً پانچ معنی ہیں
جن میں سے ایک معنی عربت حکومت سلطنت کے ہیں ایک معنی اطاعت فرمانبرداری

کے ہیں ایک معنی حساب جزا سزا کے ہیں۔ ایک معنی طریقہ کار کے ہیں۔ جس کو سماج یا معاشرہ بھی کہا جاسکتا ہے۔ فرمان الہی ہے:

ان الدین عند الله الاسلام۔ یعنی سماج تو اللہ کے نزدیک اسلامی (ہی سماج) ہے۔ سورہ الجاثیہ آیت نمبر ۱۸ میں ہے۔ تم کو (دنیا میں زندگی گزارنے کے) طریقہ کار کے معاملہ میں ایک صاف شاہراہ پر چلایا ہے اسی پر چلو اور جاہلوں کی خواہشات کا اتباع نہ کرو۔ کیونکہ لکل امة جعلنا منسكا هم ناسکوا۔ ہر امت کے لئے ایک طریق عبادت (اور طریق کار) مقرر کیا ہے جس کی وہ پیروی کرتی ہے۔ اس کے برخلاف۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه وهو فی الآخرۃ من الخاسرین ○ (آل عمران ۸۵)

جو شخص اسلامی سماج کے علاوہ کسی (اور سماج) کا طالب ہو گا وہ سماج ہرگز قبول نہیں ہو گا بلکہ وہ آخرت میں (بھی) گھٹائے میں رہے گا۔ اسی لئے فرمایا گیا۔ وما امروا الا لیعبدوا الله مخلصین له الدین۔ اللہ ہی کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے دین کے مخلص ہو کر۔ دین آدم علیہ السلام سے ایک ہی تھا اور قیامت تک ایک ہی رہے گا۔ مگر شریعت حالات کے مطابق بدلتی رہی اس میں ترمیم بھی ہوئی تنسیخ بھی ہوئی اور قانون کی اچھائی بھی یہی ہے کہ وہ فطرت کے مطابق ہو اور حالات کے مطابق ہو۔

اسی شریعت کو مختلف نبی مختلف کتابوں کے نام سے لائے۔ حضرت موسیٰ تو رات لائے حضرت عیسیٰ انجیل لائے۔ رسول ﷺ قرآن لائے اور بس یہ آخری شریعت ہے اب اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہونے والی ہے۔ کیونکہ اب بہت ہی کم دن رہ گئے ہیں قیامت آنے میں۔ نیز یہ بہت ہی جامع شریعت ہے۔ اس کے ماخذ یعنی قرآن کی حفاظت کی ذمہ داری خود اللہ نے لے رکھی ہے۔ وانا لله لحافظون،

انسانی قانون اور شریعت اسلامی میں فرق

سب سے اہم ترین فرق تو یہ ہے کہ انسان ہر زمانہ کے انسان اور ہر جگہ کے

انسانوں کی فطرت اور مزاج کا احاطہ نہیں کر سکتا یقیناً کچھ نہ کچھ نقص رہ جائے گا، برخلاف خالق و مالک کائنات کے اس کا علم پورے زمانہ اور پوری کائنات کا احاطہ کیے ہوئے ہے وہ انسانی جذبات اور احساسات کا بھی علم رکھتا ہے اور اس کا قانون میں خیال بھی رکھتا ہے نیز انسانی قانون ہر اس جرم کے متعلق جب گفتگو کرتا ہے جب وہ ظہور پذیر ہو جاتا ہے اور وجود میں آ جاتا ہے یعنی پہلے سے اس کا سد باب نہیں ہوتا کیونکہ حسی طور پر وہ جرم موجود ہی نہیں ہوتا برخلاف شریعت اسلامی کے وہ جرم کو جرد سے اکھاڑنا چاہتا ہے لہذا اس کے داعیات پر ہی قدغن لگا دیتا ہے مثلاً زنا کاری ایک جرم ہے انسانی قانون جب یہ جرم ہو جائے گا تب لاگو ہوگا مگر شریعت نے اس کا پہلے سے ہی سد باب کر دیا یعنی عورت و مرد نظرین جھکا کر گفتگو کریں نظروں میں کوئی گنہگار نہ ہو، ورنہ وہ آنکھ کا زنا کہلائے گا، اسپر دنیوی سزا نہیں مگر اصطلاح شریعت میں یہ گناہ ہے اور ممکن ہے کہ اس پر آخرت میں سزا بھی ہو۔ یا آپ اپنے گھر میں بیٹھ کر لغو پیکچر دیکھ رہے ہوں اور اس کو یوٹیوب یا فیس بک پر دوسروں کے لئے ارسال بھی کر رہے ہوں یہ سب انسانی قانون میں جرم نہیں مگر اسلامی قانون میں بہت بڑا گناہ ہے حتیٰ کہ یہ جرم دوسروں تک پہنچانے کا بھی گناہ ہے، یعنی انسانی قانون جذبات پر بھی پہرہ لگاتا ہے اگر جذبات غلط سمت جارہے ہیں تو وہ ان کو روکنے کے ذرائع استعمال کرتا ہے۔ جس سے ایک اچھا تمدن اور کلچر وجود میں آتا ہے۔ اور ایک بہتر سماج بنتا چلا جاتا ہے۔ وہ صرف ہاتھوں کو ہتھکڑیاں لگانے کے لئے تیار نہیں رہتا بلکہ ان ہاتھوں کو اپنے بھائی کے لئے مددگار اور معاون بنانے کی بھی ترغیب دیتا ہے اگر کسی کا پرس گر گیا تو وہ ہاتھ اس پرس کو اٹھا کر پرس والے تک پہنچانا اپنا اخلاقی فرض سمجھتے ہیں اسلئے وہ ہاتھ حرکت کریں گے۔ نہ کہ وہ ہاتھ کسی کی جیب خالی کرنے کے لئے حرکت کریں۔ گویا انسانی قانون اگر کسی کو نقصان پہنچایا جائے تو سزا کے لئے بالکل تیار رہتا ہے لیکن اس کے دل میں نفرت بغض عداوت حسد دشمنی کینہ پروری لالچ یا اور دیگر اوصاف سیہ پل رہے ہوں تو ان کا کوئی سد باب نہیں کرتا نتیجتاً ان بری عادتوں کی وجہ سے وہ دوسروں کو

نقصان پہنچانے لگتا ہے۔

گویا انسانی قانون مجرم کو سزا دیتا ہے مگر جرم کو نہیں ختم کرتا برخلاف شریعت اسلامی پہلے جرم ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے پھر مجرم کو سزا دیتا ہے۔ شریعت اسلامی انسان کے باطن کو بھی دیکھتا ہے بلکہ اس کی اچھی طرح صفائی کرتا ہے کیونکہ انسان کی اصل پہچان اس کے باطن سے ہی ہوتی ہے۔ باطن کے احساسات ہی ظاہری عمل بنکر سامنے آتے ہیں گویا انسانی قانون انسان کی صرف ظاہری زندگی کو دیکھتا ہے برخلاف اسلامی قانون کے وہ انسان کی باطنی زندگی پر بھی نظر رکھتا ہے۔

دراصل انسانی زندگی میں تبدیلی کے لئے اس کی ظاہری اور باطنی دونوں طرز زندگی پر اثر انداز ہونا ضروری ہے اور یہ کام اسلامی شریعت بہت اچھے انداز سے کرتی ہے وہ اس کے جذبات و احساسات کا خیال رکھتے ہوئے قانون لاگو کرتی ہے بلکہ پہلے اس کے اندر کی دنیا کو بدلنے کی کوشش کرتی ہے پھر باہر کی دنیا میں قانون کی پیروی کرنے کو کہتی ہے اس اندر باہر کی دنیا کو قانونی ضابطہ میں لانے کے لئے ایک نگران کے احساس دلانے کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ نگران اللہ تعالیٰ ہے جو ہر وقت آپ کے ہر عمل کو دیکھ رہا ہوتا ہے اس نگران اعلیٰ کے لئے احساس عبودیت جیسے ہی جاگتا ہے انسان اپنے آپ کو اس کا مطیع و فرمانبردار بنانے کی کوشش کرتا ہے اور قانون کی پاسداری خود بخود ہوتی چلی جاتی ہے اور ہر قانون کا دل میں احترام پیدا ہو جاتا ہے صرف ظاہری مجبوری کی بنا پر وہ قانون پر عمل نہیں کرتا بلکہ دل سے قانون پر عمل کرتا ہے انسانی قانون کے لئے عام طور پر دل میں بغاوت رہتی ہے اور ظاہری طور پر عمل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے لیکن جیسے ہی قانون توڑنے کا موقع ملتا ہے اس کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے شریعت ایسے شخص کو منافق کہتی ہے اور اچھا نہیں سمجھتی شریعت کے نزدیک وہی شخص مسلم (قانون ماننے والا) ہے جو دل سے قانون کو مانتا بھی ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے ورنہ چاہے وہ ظاہری طور پر قانون پر عمل بھی کر رہا ہو مگر دل سے نہیں مان رہا ہے تو وہ منافق (مجرم) ہے۔ شریعت کی دعوت ہے جو کام وہ کھلے

بازاروں میں کر سکتا ہے وہی اپنی تنہائی میں بھی کرے جو اپنے لئے پسند کرے وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرے جو اپنے لئے برا سمجھے وہی دوسروں کے لئے بھی برا سمجھے۔
شریعت کا مافذ (سورسز) قرآن، وسنت، اجماع، قیاس، اور امتحان، و تعامل سلف و غیرہ ہے۔

سب سے اہم قرآن و سنت ہے جیسا کہ قرآن میں واضح طور پر نماز روزہ حج زکوٰۃ کا حکم ہے اور سنت یعنی حدیث میں اس کی پوری تشریح ہے (آنحضرت کے الفاظ کے ذریعہ یا عمل کے ذریعہ) اگر قرآن و حدیث میں کوئی واضح حکم نہیں مل سکا تو پھر تمام (اس فن کے باصلاحیت) حضرات کا قرآن و حدیث کی روشنی میں کسی ایک بات پر متفق ہونا ضروری ہے اس کا نام اجماع ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تراویح باجماعت نہیں پڑھی جاتی تھی مگر حضرت عمرؓ کی ایما پر سب اس عمل پر متفق ہو گئے یا حضرت ابو بکرؓ کی ایما پر مانعین زکوٰۃ کی قتل کی سزا پر سب کا اتفاق کر لینا، قیاس کا مطلب ہے کسی نامعلوم کا حکم معلوم حکم کو سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں بنانا جیسے آیت مبارکہ ہے کہ وَلَا تَقْلُ لِهَٰمَآفِ مَآلِ بَآپٍ كُوفَ تَکْ نَہْ كُہْوَ اَكْمَ سَہْ یہ معلوم ہوا کہ ماں باپ کے رشتہ دار دوست احباب کا بھی احترام ضروری ہے، یا تہمت کی سزا پر (جو کہ ۸۰ کوڑے ہے) قیاس کر کے شرابی کی سزا بھی حضرت عمرؓ حضرت علیؓ وغیرہ سے مشورہ کر کے کر دی ورنہ پہلے ۴۰ کوڑے تھی یا چھڑیوں سے مارتے۔

شریعت یعنی قانون بناتے ہوئے چند چیزوں کا خصوصی خیال رکھا جاتا ہے۔

قانون کچھ پچکدار ہو، شبہ کا فائدہ ملزم کو ملے، قانون میں آسانی ہو، قانون ماننے میں کوئی تکلف یا تکلیف نہ ہو، یا کم سے کم تکلف ہو، نیز قانون تدریجی ہو، یعنی یکبارگی مسئلہ نہ ہو جائے۔

مثالیں:

آسانی کی مثالیں اللہ تعالیٰ نے اس امت کھیلنے ساری زمین کو پاک کر دیا اور مسجد بنادیا جہاں چاہو نماز پڑھ سکتے ہو (بشرطیکہ اس جگہ پر کوئی نجاست نہ ہو)

یا..... اگر پانی کی سہولت نہیں ہے تو تیمم کیا جاسکتا ہے۔
 یا..... اگر کسی ایسے معاملہ میں انسان پچھنس گیا کہ اس کو دو پریشانیوں میں
 سے کسی ایک کو اختیار کرنا پڑ رہا ہے تو فرمایا اھون البلیتین اختیار کرلو یعنی کم درجہ
 والی پریشانی اختیار کرلو۔

دفع حرج۔ سورہ بقرہ میں ہے لا یكلف اللہ نفساً الا و سہا اللہ اس
 کے برداشت کے مناسب ہی اس کو ذمہ داری دیتا ہے۔

فرمان الہی ہے لا حرج فی الدین دین میں کوئی حرج نہیں ہے
 قلت تکلف۔ یعنی ہر فرد یہ کام بہ آسانی کر سکے، جیسے شادی میں لڑکی کی رضا مندی
 اسباب و قبول۔

تدریجی عمل۔ شراب کو آہستہ آہستہ حرام کیا گیا۔ یکبارگی نہیں۔
 دفع مشقت۔ وقتی طور پر کوئی مشکل پیش آ جائے اس کو دفع کرنا مثلاً، فتح مکہ کے
 موقع پر بہت سے صحابہ روزے سے تھے ایک صحابی تھکان کی وجہ سے بے ہوش
 ہو گئے ان کو روزہ توڑنے کی اجازت مل گئی۔

ان تمام چیزوں کی رعایت کرنے سے قانون نکھر کر سامنے آ جاتا ہے، اور پھر
 قانون کو دل سے ماننے کی خواہش پیدا ہوتی ہے نہ کہ صرف ظاہری طور پر قانون پر عمل
 کرنے والا معاملہ نہیں رہتا۔

شریعت کی بے شمار حکمتیں اور تحفظات ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

تحفظ عقائد

عقائد کی حفاظت کا مطلب ہے کہ اللہ اور بندہ کا رشتہ جو ایک حاکم و محکوم اور خالق
 و مخلوق کا ہوتا ہے وہ صحیح ہو جائے اور عقیدہ محفوظ رہے، اس کے لئے عبادات کا ایک
 خاص انداز رکھا گیا تاکہ اس میں اپنی جانب سے کوئی کمی بیشی نہ کی جاسکے جس طرح
 اللہ کے رسول نے بتا دیں بس اسی طرح ان کو ادا کیا جائے ورنہ دین میں اختراع
 ہو جائے گی، اسی طرح معاملات اور اخلاقیات اور روحانیت میں اپنی جانب سے کمی یا زیادتی

نہیں کر سکتے، اس لئے شریعت کے ذریعہ کچھ حدود بنادی گئیں تاکہ تحفظ عقائد ہو جائے۔

تحفظ عبادات

مختلف مذاہب میں عبادات میں بہت افراط و تفریط ہے۔ کچھ مذاہب میں دنیا سے بالکل قطع تعلق کر لیا جاتا ہے جس کو رہبانیت یا جوگزم یا صوفیزم کہا جاتا ہے اس میں دنیا داری کو چھوڑ کر انسان گوشہ نشین ہو جاتا ہے یا پہاڑوں میں غاروں میں چلا جاتا ہے اور اپنی جاں کو مشقت میں ڈالتا ہے، ایسے مذہب کا یہ تصور ہے کہ گیان دھیان سے نروان بہت ہوتا ہے، یعنی دنیا سے علاحدگی تقرب الہی کا ذریعہ ہے بلکہ اس سے ولایت یا نبوت اور اوتار تک کا (غیر اسلامی مذاہب میں) درجہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اس کا آغاز پہلے غیر الہامی مذاہب سے ہوا پھر الہامی مذاہب میں بھی یہ سرایت کر گیا، کچھ مذاہب میں اللہ کو خوش کرنے کے مختلف اور نئے نئے طریقہ اپنائے جاتے ہیں کہیں بچوں کو قربان کیا جاتا ہے کہیں صرف خون بہایا جاتا ہے یا پھر گاجا کر اور ناج کر دیوی دیوتا کو خوش کیا جاتا ہے یہ سب اس لئے کہ عبادت کا جو طریقہ آسمانی کتب کے ذریعہ آیا اس کو یا تو بھلا دیا گیا یا اس میں رد و بدل کر دیا گیا حالانکہ اس قسم کے طریقہ عبادت سے یا تو بالکل فائدہ نہیں ہوتا یا صرف ایک فرد کی کچھ روحانی ترقی ہو جاتی ہے اور وہ کچھ چمتا کر سیکھ جاتا ہے مگر اس کی جسمانی قلبی اور دماغی ترقی رک جاتی ہے۔ کیونکہ یہ انسان کے اپنے بنا ہوئے طریقہ عبادت ہیں برخلاف اسلام کے اس نے عبادت کے طریقہ وضاحت سے بتائے بلکہ اس کو کر کے بھی دکھلائے لہذا اسلام میں عبادت وہی مانی جائے گی جو اللہ نے بتلائی اور رسول نے کر کے دکھلائی۔ اسی لئے اگر کسی نے عید کے دن روزہ رکھ لیا تو اس کو ثواب کے بجائے الٹا گناہ ہوگا۔ حالانکہ روزہ رکھنا ثواب کا کام ہے مگر عید کے دن رسول نے روزہ نہیں رکھا بلکہ منع کیا ہے۔ دراصل پورے خلوص سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہی عبادت ہے۔

تحفظ جان

اسلامی قانون تمام انسانوں کی محترم کرتا ہے اس کی حفاظت کو اپنا اولین

فریضہ مجھتا ہے اگر کسی کی جان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کا تدارک کرتا ہے اگر کوئی کسی کو تکلیف پہنچاتا ہے تو اس کو سزا دی جاتی ہے ان سزاؤں کو کبھی دیت : یا ضمان ”یا سدود“ تعزیرات کا نام دیا جاتا ہے۔ کسی دوسرے کی جان کو تکلیف دینے کا بالکل حق نہیں حتیٰ کہ انسان کو خود اپنی جان کو تکلیف پہنچانے کا یا اس کو تلف کرنے کا بھی کوئی حق نہیں کیونکہ یہ جان اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اور سی کی امانت ہے، یہ سزائیں ہر فرد نہیں دے سکتا اس کے لئے حکومت اور اسٹیٹ کا ہونا ضروری ہے تب ہی ان قانون کا نفاذ ہوگا ورنہ ہر شخص خود ہی سزا دینے لگے تو انارکی پھیل جائے گی قرآن میں جان کی حفاظت کے لئے : تحفظ نفس : کی اصطلاح بھی آئی ہے، ارشاد خداوندی ہے : ان النفس بالنفس والعین بالعين والانف بالانف والاذن بالاذن والسن بالسن واجرو حبالجرح بالقصاص۔ المائدہ ۴۵۔

تحفظ عقل

انسانی عقل کو یقیناً شریعت کے تابع ہونا چاہیے اسلئے کہ یہ شریعت عقل سے بھی ماوراء چیز یعنی وحی سے ماخوذ ہے اور شرعی قانون عین عقل کے مطابق ہے، اسی لئے اگر انسانی عقل جن چیزوں سے متاثر ہوتی ہے یا عقل مستور ہوتی ہے ان کی ممانعت کر دی گئی ہے مثلاً شراب نوشی یا کسی قسم کا نشہ منشیات، پناٹزم یا میسریم جادو وغیرہ یا اس قسم کے مشاغل جو انسان کو سنجیدگی سے غیر سنجیدگی کی طرف لے جائیں یا جانور بنادیں ان کو شریعت نے مبعوض سمجھا ہے اور ان سے روکا ہے۔

انما الخمر والميسر والانساب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه لعلکم تفلحون ○ شراب جو آتائے پانے یہ سب گندے شیطانی کام ہیں ان سے پرہیز کرو امید ہے کہ کامیابی ملے گی۔ المائدہ ۹۵

شراب چونکہ ایک ایسی لت ہے جو جلدی سے نہیں چھوڑتی لیکن اس کی ممانعت کا بتدریج حکم دے کر آہستہ آہستہ چھڑوایا گیا پھر تمام صحابہ کرام نے نالیوں میں شراب

بہادی، اور تحفہ یادوا کے لئے بھی استعمال نہ کی۔ کسی ایک دو فرد نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر چپکے سے شراب پنی لی معلوم ہونے پر ۴۰ کوڑوں کی سزا دی جانے لگی کی اور پھر قانون بنادیا گیا کہ بزور طاقت شراب بندی کی جائے حتیٰ کہ حضرت عمرؓ کے زمانے میں رویشہ نامی دکان بلکہ پورا ایک گاؤں جلادیا گیا جس میں شراب کشیدگی ہوتی تھی، اسی طرح بادو وغیرہ کی ممانعت کے لئے قانون بنایا گیا کہ سب ناجائز ہے کیونکہ ان سب چیزوں سے عقل مستور ہو جاتی ہے۔

تحفظ نسل

دراصل خاندانی نظام کی بقاء کا معاملہ ہے نسل انسانی کی بقاء خاندان کی بقاء پر منحصر ہے خود دین کا تحفظ بھی خاندان کے تحفظ میں مضمر ہے کیونکہ خاندان دین کا مقبوط ترین قلعہ ہے دین اسلام کو جو مطلوب ہے اور جیسی اخلاقی و روحانی ترقی کی راہ دکھاتا ہے اس میں فرد کا خاندانی جز ہونا ضروری ہے نسل انسانی کی بقاء انسان کی عزت سے تعلق رکھتی ہے اسی لئے نکاح کا قانون بنایا گیا تا کہ نسل انسانی زیادہ ہو حکم دیا گیا ولا تقتلوا اولادکم من خشية املاق۔۔۔ اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ ایک زمانہ تھا کہ کثرت اولاد پر فخر کیا جاتا تھا ایک شخص کے چالیس چلیس لڑکے ہوتے تھے قبائلی زمانہ تھا سیکورٹی وغیرہ تھی میں اپنی ہی اولاد پہرہ دیا کرتی تھی۔ اب زمانہ بالکل برعکس آ گیا ہے اب کم سے کم بچوں کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا جاتا ہے وجہ تعلیم و تربیت اور اسباب کی کمی بتائی جانے لگی جو یقیناً غلط ہے اس کو کبھی منصوبہ بندی کبھی فیمیلی پلاننگ کے نام سے ظاہر کیا جانے لگا ہے۔ حالانکہ جو بچہ ایک پیٹ لاتا ہے وہ دو ہاتھ بھی لاتا ہے اور سوسائٹی میں خود بھی ترقی کرتا ہے بلکہ پورے معاشرہ کے لئے مدد و معاون بن سکتا ہے، فرمان نبوی ہے کہ قیامت میں آنحضرت اپنی امت کی کثرت پر فخر کریں گے (ابن ماجہ) فرمایا گیا:

تزوجوا الودود والودود۔ بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچہ پیدا

کرنے (کی صلاحیت رکھنے) والی سے شادی کرو۔

اپنی اولاد کی اچھی تربیت اور نیک صالح بنانے پر جنت کی بشارت دی گئی۔ اسی کو اسلام میں عائلی قانون کہا جاتا ہے جو کہ اسلام کا ایک بہت اہم حصہ ہے گویا شریعت تحفظ نسل کے سلسلہ میں اپنا ایک قانون رکھتی ہے۔

تحفظ مال

انسانی جان و مال آبرو عقل و نسل سب کی حفاظت اور اس کی بڑھوتری کی ذمہ داری صرف ہر فرد پر نہیں بلکہ شرعی قانون بھی اس میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

مال کو کیسے خرچ کرنا ہے کہاں خرچ کرنا ہے کیسے حاصل کرنا ہے کس سے حاصل کرنا ہے کتنا خرچ کرنا ہے کس پر خرچ کرنا ہے اور کیسے حفاظت کرنی ہے مال کی گردش میں کس کا کتنا حصہ ہے اس کے لئے اسلامی قانون نے بے شمار قواعد و ضوابط بنائے ہیں وراثت کا قانون ہے وصیت کا قانون ہے زکوٰۃ کا قانون ہے عشر کا قانون ہے، صدقہ کا قانون ہے کس طرح مال کی گردش نسل بعد نسل جائز طریقہ پر معاشرہ میں رائج رہتی ہے اور محفوظ رہتی ہے۔ یہ بھی ایک پورا نظام ہے مولانا عبید اللہ سندھی نے جب نظام زکوٰۃ کی تفصیل روس میں: لینن: کے سامنے رکھی تو وہ اچھل گیا اور کہنے لگا اگر اس نظام کو نافذ کر دیا جائے تو یہ دنیا کا بہترین نظام ہے۔

شریعت انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لئے ہے

اسلامی قانون انسان کی خارجی داخلی ظاہری باطنی جسمانی روحانی عائلی آفاقی سیاسی تجارتی معاشرتی معاشی تعلیمی ثقافتی عباداتی معاملاتی گویا حیات انسانی کے ہر پہلو پر محیط ہے قدم قدم پر اسلامی قانون یعنی شریعت اسلامیہ کی ہر اس شخص کو ضرورت پڑے گی جو مسلمان ہے۔ اسلامی شریعت انسانی پیدائش سے انسان کی موت تک ایک ایک قدم چلنا بتاتی ہے، انسانی ہر ضرورت کو پورا کرتی ہے۔

صبح اٹھ کر منہ ہاتھ کیسے دھویا جاتا ہے اور پاک کیسے کیا جاتا ہے یہ بھی شریعت اسلامی سکھاتی ہے شاید کسی دوسرے قوانین میں پاکیزگی اور طہارت کا اتنا اچھا مفہوم

موجود ہی نہیں ہے۔ اسلام جسمانی طہارت سے لیکر اخلاقی طہارت اور پھر زندگی کے ہر پہلو میں پاکیزگی کا ایسا سبق دیتا ہے کہ پورا ماحول پاکیزہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک فرد سے پوری انسانیت تک پاکیزگی کا قانون سرایت کر جاتا ہے۔ جس سے ایک انسان کی زندگی کا صرف ایک پہلو نہیں بلکہ زندگی کے تمام گوشوں میں اچھی تبدیلی آتی چلی جاتی ہے اور نتیجہ کے طور پر حیات انسانی کے ہر شعبہ یہی پاکیزگی آ جائے گی چاہے وہ پولیس کا شعبہ ہو چاہے بزنس ہو چاہے خاجہ پالیسی ہو یا آرمی کا معاملہ ہو بیوکریسی ہو یا عدلیہ ہو یا مقننہ ہو نہ کہیں رشوت رہے گی نہ سود خوری نہ ناپ تول میں کمی ہوگی نہ ہراپرٹیز میں ہیرا پھیری ہو سکے گی۔ نہ کسی پر ظلم و ستم ہو سکے گا نہ تعلیمی نظام میں کاہلی یا چیکنگ ہو سکے گی، شعبہ مالیات صاف ستھرا رہے گا شعبہ صنعت و حرفت کوئی نا انصافی نہیں ہوگی صحت کا ڈپارٹمنٹ ہر مریض کا دل کھول کر استقبال کرے گا۔ اس طرح: شریعت اسلامی: زندگی کے ہر شعبہ پر محیط رہے گی۔ فرد سے اسٹیٹ تک کے لئے قانون شرعی معاون بنے گا۔ جس سے ایک اچھا نظام حکومت چلے گا۔

سب سے اہم معاملہ یہ ہے کہ شرعی قوانین کو صرف تھموری کے طور پر مدارس یا اسکول اور کالج میں صرف پڑھایا نہ جائے یا صرف وعظ اور تبلیغ نہ کی جائے بلکہ عملاً اس کے نفاذ کی کوشش کی جائے اور جہاں نافذ ہو گیا وہاں اس کے استحکام کی ذمہ داری لی جائے۔ اسی کو ہم نظام الہی کا نفاذ یا اقامت دین بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ ہر مسلمان پر (جتنی اس میں وسعت ہے) فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اسلامی شریعہ کے نفاذ کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

قرآن اور سائنس

[علمیات]

مرتبہ:.....شبانہ نعیم

آج کے زمانہ کا ایک بہت اہم موضوع ہمارے سامنے ہے۔ جس کو ہم قرآن اور سائنس کا نام دے سکتے ہیں۔

قرآن مجید ساری دنیا کے لئے ہدایت اور سب سے بہترین کتاب ہے مگر یہ صرف ہم جانتے ہیں بلکہ ہم یہ کہتے بھی ہیں کہ یہ کتاب برحق ہے اور پورا نظام زندگی پیش کرتی ہے اب یہ ہمارے اوپر لازم ہو گیا کہ اس کتاب کو ہر زمانہ کے حساب سے ثابت کیا جائے۔

الحمد للہ اس کتاب نے اپنے آپ کو ہر زمانہ میں ثابت کیا اور کرتی رہے گی اور یہ بات بالکل سچ اور حق ہے کہ آج دنیا میں جتنی بھی ترقی ہوئی ہے اس میں سے سے اکثر ترقی اسی کتاب کی مرہون منت ہے جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ کتاب کسی عظیم ہستی کی طرف سے ہے۔

اب ہم دیکھتے ہیں اس کتاب نے اپنے آپ کو کس طرح ثابت کرایا ہے۔
ہر ترقی علم کی محتاج ہے یہی وجہ ہے اس کتاب کی پہلی آیت ہی انسان کو حصول علم کے لئے ابھارتی ہے۔ اقراء باسم ربك الذی خلق۔

ترجمہ۔ اپنے رب کے نام سے پڑھ

یہ آیت علم کی اہمیت بتاتی ہے، کیونکہ علم سے ہمیں دنیا اور آخرت دونوں حاصل ہو سکتی ہے۔

قرآن سورہ آل عمران آیت ۱۹۱ میں بتلا رہا ہے کہ: الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلی جنوبہم ویتفکرون فی خلق السماوات والارض۔ ترجمہ جو اللہ کو اٹھتے بیٹھتے کروٹ کروٹ یاد رکھتے ہیں اور زمین و آسمان

کی تخلیق پر سوچ بچار کرتے ہیں۔

گویا اللہ کو تشریعی علم (جس کو عامیانہ زبان میں دینی علم کہا جاتا ہے اس) کے ذریعہ ہر وقت یاد کرو اور یاد رکھو یعنی ذکر کرو اور جس دنیا میں سکونت پذیر ہو اس میں بھی غور و فکر کرو (اور ممکنہ علم سے یہ معلومات حاصل کرو) کہ یہ دنیا کس طرح بنی ہوئی ہے اور کس نے بنائی ہے اور کیوں بنائی ہے۔

اسی کو فکر کہا جاتا ہے اور ذکر و فکر دانشمندوں کی نشانی ہے۔

علم کے متعلق جامع ترمذی میں بھی ایک حدیث ہے کہ: طلب العلم علی کل مسلم و مسلمة ترجمہ ہر مسلمان مرد و عورت پر علم حاصل کرنا ضروری ہے۔ علم کو دینی اور دنیوی علم میں تقسیم کر کے مسلمانوں نے زبردست خسارہ اٹھایا ہے۔ جس کی وجہ سے ناقص علم ہی ہاتھ آیا ہے۔ کیا یہ ہو سکتا ہے ایک مسلمان مسجد میں جا کر عبادت کے اور بازار جا کر برائیاں کرے اور کہے کہ یہ میرا دین ہے وہ میری دنیا ہے حالانکہ دین تو دنیا میں رہنے کا وہ طریقہ ہے جو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کام آئے لہذا ہمارے ذمہ ہر طرح کے علم کا حصول ہے۔

قرآن خالص سائنس کی کتاب نہیں ہے بلکہ وہ ہر انسان کی ہدایت کے لئے ہے اس میں عقائد احکامات واقعات پیش گوئیاں وغیرہ سامنے آتی ہیں تاکہ انسان ہدایت حاصل کرے مگر ان ہی آیات کے ذریعہ سائنس اور بائیولوجی وغیرہ بھی سیکھ لیتے ہیں مثلاً ہم قرآن کی ایک آیت سے عقیدہ کی ایک بات سمجھتے ہیں اور ساتھ میں سائنس کا علم بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ جو ایمان نہیں لائیں گے ان کو جہنم میں جلایا جائے گا اور ان کی جلد کو بار بار بدلا جائے گا تاکہ عذاب لگاتار ہوتا رہے۔ پہلی آیت سے علم ملا کہ اللہ پر ایمان نہ لانے کا نتیجہ عذاب جہنم ہے دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ جلد میں "فیلمنگ پاور" احساس موجود ہے وہ تکلیف کا احساس کر لیتی ہے جہنم میں جلد جل کر ختم ہو جائے گی تو تکلیف کا احساس ہی نہیں رہے گا اس لئے بار بار جلد دی جائے گی تاکہ تکلیف کا احساس برقرار رہے۔ اس طرح تشریعی اور ممکنہ دونوں طرح کا علم میں

اضافہ ہوا۔ شاید اسی لئے علم کے اضافہ کی دعاء سکھائی گئی اور سورہ: طہ: میں فرمایا گیا کہ رب زدنی علماً: یعنی میرے رب علم میں اضافہ فرما۔ ترجمہ۔ علم والے اور بغیر علم والے ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ اسی لئے سورہ زمر کی آیت ۹ میں ارشاد ہے

وما یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون ○

ترجمہ۔ علم والے اور بغیر علم والے ایک جیسے نہیں ہو سکتے۔ یعنی کامیابی اہل علم کے ہاتھ لگتی ہے اور جہلاء کو ناکامی ملتی ہے۔ ایک جگہ قرآن کافروں کی مثال اس طرح بتاتا ہے کہ جیسے کوئی انسان سمندر کی گہرائی میں ہو اور اپنا ہاتھ دیکھنا چاہتا تو وہ دیکھ نہیں سکتا، اس بات کو آج کی سائنس نے ثابت کر دیا کہ سمندر کی گہرائی میں اندھیرا ہوتا ہے۔ چیونٹیاں آپس میں بولتی ہیں بلکہ ڈیٹا پاس کرتی ہیں اس کا ابھی تک مشاہدہ نہیں ہو سکا (کیونکہ سائنس مشاہدہ کا نام ہے) مگر قرآن نے چودہ سو سال پہلے ہی بتا دیا تھا کہ چیونٹیاں آپس میں بات کرتی ہیں انھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ اپنے اپنے بلوں میں چلی جاؤ ورنہ حضرت سلمان کا لشکر ہمیں کچل دے گا۔ قرآن بار بار کہتا ہے کہ میری نشانیوں میں غور و فکر کرو، فرمان الہی ہے کہ ربنا ما خلقت هذا باطلا، ترجمہ ہمارے رب تو نے کوئی چیز بیکار نہیں بنائی، آج سائنس بھی یہی کہنے پر مجبور ہے کہ دنیا میں کو چیز بھی بیکار نہیں۔

قرآن کی تقریباً ایک ہزار آیات آج کے سائنسی فارمولوں کی نشاندہی کرتی ہے (جبکہ سائنسی فارمولہ بدلتے رہتے ہیں) اس کی چند مثالیں مندرجہ ذیل ہیں۔

علمِ فلکیات

آج کی سائنس کہتی ہے کہ کائنات ایک مادہ کی شکل میں ٹھوس اور جڑی ہوئی تھی اچانک ایک دھماکہ ہوا جس کو ”بگ بینک“ کہا جاتا ہے اور پھر زمین و آسمان نیز دیگر سیارے الگ الگ ہو گئے۔ قرآن سورہ انبیاء آیت ۳۵ میں کہتا ہے ان

السماوات والارض كانتا رتقا ففتقناهما ترجمہ زمین و آسمان جوڑے ہوئے تھے ہم نے ان کو الگ الگ کر دیا۔

(رتق کے معنی جڑا ہوا ہونا۔ فتق کے معنی الگ الگ ہونا) زمین و آسمان کی علیحدگی ایک دھماکہ سے ہوئی عام طور پر جو دھماکہ ہوتا ہے اس میں کنٹرول نہیں رہتا مثلاً گاڑی بکرا جائے یا کوئی چیز گر کر ٹوٹ جائے اس میں نقصان اور بدکلی ہی ہوتی ہے ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ آپ کے ہاتھ سے ایک شیشہ گرے اور گر کر چار پانچ گلاس کی شکل اختیار کر لے یا بچہ کے ہاتھ سے روشائی گرے اور نیچے غالب کی غزل لکھی جائے مگر اس بڑے دھماکہ میں سب سے بڑے کنٹرول کی قدرت شامل تھی اس لئے زمین و آسمان اور تمام سیارے پورے نظم و ضبط کے ساتھ نمودار ہوئے اور پھر اس طرح وجود میں آئے کہ پہلے دھوئیں کی شکل اختیار کی پھر ہر چیز اپنی جگہ پر سیٹ ہو گئی۔ سائنس یہ کہتی ہے اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ اگر یہ دھماکہ کنٹرول میں نہ ہوتا تو یہ کائنات وجود میں نہ آ سکتی تھی۔

(۲) آج کی سائنس یہ کہتی ہے کہ دنیا کی شکل گول ہے (پہلے اسے چپٹی سمجھا جاتا تھا) نہ صرف گول ہے بلکہ اوپر نیچے (شمال و جنوب) سے تھوڑی دبی ہوئی ہے اور (مغرب و مشرق) دونوں سائڈوں سے کچھ پھولی ہوئی ہے گویا دنیا بالکل شتر مرغ کے انڈے کی طرح ہے۔ یہ شپ اہل سائنس کو پہلے معلوم نہیں تھا جب وہ چاند پر گئے تو معلوم ہوا کہ دنیا ”جیو سپریکل شپ“ میں ہے۔ مگر آج سے چودہ سو سال پہلے قرآن کہ چکا تھا۔
والارض بعد ذالک دخھا، ترجمہ پھر زمین کو (ایک خاص شپ میں) بچھا دیا ”دخ“ عربی زبان میں شتر مرغ والے شپ کو کہتے ہیں۔

(۳) قرآن چاند کے بارے میں بتلاتا ہے کہ اس کی روشنی کسی کی مستعار ہے یعنی وہ روشنی کا عکس ہے اس کی اپنی روشنی نہیں ہے۔ جس کے لئے لفظ: منیر: استعمال کیا برخلاف سورج کی روشنی کے کیونکہ وہ روشنی اس کی اپنی اور ذاتی ہے وہاں لفظ سراج استعمال کیا ہے۔

(۴) طبعیات

ذره یعنی آئٹم کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ اس سے چھوٹی چیز بھی ہوتی ہے
سورہ یونس آیت ۶۱ میں فرماتا ہے کہ

ولا اصغر من ذالك ولا اكبر الا في كتاب مبين ○ ترجمہ
آئٹم سے بھی چھوٹی بڑی چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ جبکہ سائنس داں ابھی تک
آئٹم کی چوتھی نسل (فورث جنریشن۔) (Fourth Generation) تک ہی پہنچ
پائے ہیں۔

(۵) ارضیات

سائنس پہلے یہ کہتی تھی کہ پہاڑوں کی وجہ سے زلزلے آتے ہیں پھر اس نے
انکشاف کیا کہ پہاڑ جتنے اوپر ہیں اس سے زیادہ نیچے گڑے ہوئے ہیں گویا زلزلے ان
کی وجہ سے نہیں آتے ہیں بلکہ یہ زلزلے روکتے ہیں اسلئے کہ پہاڑ میخوں کا کام کر رہے
ہیں اور یہ تعبیر قرآن نے استعمال کی ہے فرماتا ہے والجبال اوتادا۔ ترجمہ
پہاڑ وکھو میخیں بنایا۔

(۶) حیاتیات۔ (بائیولوجی۔ Biology)

سائنس ہمیں اب بتا رہی ہے کہ انسان میں بہتر فی صد پانی ہے اور بقیہ جاندار میں
کچھ کم۔ قرآن پہلے ہی کہہ چکا ہے

وجعلنا من الماء کل شیئی حی
ترجمہ۔ ہر جاندار کو پانی سے پیدا کیا۔

(۷) نباتیات۔۔ (بوٹنی۔ Botany)

سائنسدانوں نے یہ انکشاف کیا ہے کہ تقریباً تین کروڑ مخلوقات سب کی سب

جوڑوں میں ہیں یعنی سب کا ایک نر اور ایک مادہ ہے۔ قرآن سورہ: طہ: آیت ۵۳ میں پہلے ہی بتا چکا ہے کہ۔

فاخر جنابہ ازواج شستی۔

ترجمہ: ہم نے اس زمین سے جوڑوں کی شکل میں مختلف نباتات (ہریالی) نکالی

(۸) حیاتیات۔ (زولوجی۔ Zoology)

سائنس نے ہمیں بتایا ہے کہ جانوروں کی اپنی ایک کمیونٹی ہوتی ہے۔ پورا ایک معاشرہ اور سماج ہوتا ہے وہ آپس میں ملتے ہیں، مشورے کرتے ہیں فیصلے کرتے ہیں پھر ان پر عملدرآمد کرتے ہیں ان کی زندگی گزارنے کا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔ اس بات کو قرآن بہت پہلے ہی بتا چکا ہے۔ مکھیوں اور چیونٹیوں کے واقعات اور گفتگو تک بتائی ہے ان کے شعور کا لیبل بھی ہمارے سامنے آیا ہے۔

(۹) جنیات۔۔ (امبرولوجی۔ Embryology)

تخلیق انسان کے مراحل کو بہت تفصیل سے بتایا ہے۔ اور بتایا ہے کہ ابتدائی مراحل میں انسان جیسی بے شمار مخلوقات بنائیں اور مٹائیں پھر انسان کو زمین کے پیٹ سے ایک کھنکھتی ہوئی مٹی سے بنا ایک پتلا نکالا اور اس میں روح پھونک ڈالی (گویا اس میں کرنٹ چھوڑ دیا) اور آئندہ کے لئے اسی انسان میں وہ صلاحیت رکھ دی کہ دو انسان مل کر اپنے ہی پیٹ میں ایک تیسرے انسان کا پتلا بن سکے۔ ان مراحل کو بہت تفصیل سے اس لئے بھی بتایا کہ انسان مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنے پر شکوک و شبہات کرنے لگا اس لئے بتا دیا کہ جب وہ پہلی بار بنا سکتا ہے تو دوبارہ کیوں نہیں بنا سکتا گویا ایمان بالغیب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ سائنس کے شعبہ امبرولوجی کی بھی تعلیم دے دی اور بتایا کہ پیدائش کے اہم چھ مرحلے ہیں۔ جبکہ سائنس میں تقریباً ۴۲ سلجھ سکھائے جاتے ہیں بلکہ ایک پروفیسر نے چھٹیج سن کر کہا تھا کہ یہ

تمام اسلیمز کا خلاصہ ہے۔

- (۱) نطفہ۔۔۔۔۔ پانی کا قطرہ
- (۲) علقہ۔۔۔۔۔ لٹکی اور چپکی ہوئی چیز
- (۳) مضغہ۔۔۔۔۔ چبی چبائی ہوئی سی شکل
- (۴) عظامہ۔۔۔۔۔ ہڈیاں
- (۵) لحمہ۔۔۔۔۔ گوشت پوست
- (۶) غلقہ۔۔۔۔۔ پیہ اشدہ چیز

ان تمام اسلیمز کے مقررہ ایام ہیں جس کے بعد ایک اشرف المخلوقات نامی شاہکار سامنے آتا ہے جس کی سائنس میں آج تک ریسرچ جاری ہے۔ اور قرآنی آیات مزید پردہ ہورہی ہیں۔

کیونکہ ان باتوں کی خبر صرف مشاہدہ یا عقل سے نہیں ہو رہی ہے بلکہ عقل سے بھی اعلیٰ شے ”وحی“ سے مل رہی ہے، گویا ڈائریکٹ اللہ کی جانب سے اطلاع مل رہی ہے، جس میں غلطی امکان ہی نہیں، طوالت کی وجہ سے مزید مسئلہ کو روک دیا ورنہ بے شمار مثالیں دی جاسکتی ہیں، ذہن میں ایک سوال یہ آتا ہے کہ جب اسلام میں سائنس اتنے آگے ہے تو پھر مسلمان اس علم میں اتنے پیچھے کیوں ہیں؟، حالانکہ ایسا نہیں ہے بے شمار مثالیں عبد الکلام اور عبد القدیر کی دی جاسکتی ہیں، مگر پھر بھی عوام الناس کے اعتبار سے دیکھا جائے تب بھی جواب میں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مسلمانوں نے اپنی اس مقدس کتاب کو ہی چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہو گئے اور اس کتاب کو دوسرے مذاہب والوں کی نقل میں چھوڑ دیا کیونکہ وہاں معاملہ یہ تھا کہ اگر مذہبی کتابوں کو پکڑتے ہیں تو جدید علوم چھوڑتے ہیں اور اگر جدید علوم کی پیروی کرتے ہیں تو مذہبی کتابیں انکا ساتھ نہیں دیتیں۔ مذہبی کتابیں دنیا کو چیلٹی بتلا رہی ہیں اور مشاہدہ اس کے برخلاف جا رہا ہے مجبوراً مذہبی کتابوں کو چھوڑنا پڑا، مگر مسلمانوں کا معاملہ مختلف ہے یہاں مذہبی کتاب سائنس کے مطابق ہے کتاب کو پکڑو گے تو سائنس بھی آئے گی۔

جیسا کہ آٹھویں صدی کے علماء اور سائنسدانوں نے کیا تھا اور تیرھویں صدی تک کامیاب رہے تھے۔

مثلاً۔ چند کا ذکر مندرجہ ذیل ہے:

(۱) جابر ابن حیان۔ ان کو: فادر آف کیمسٹری: Father of Chemistry

کہا جاتا ہے۔ انکا لاطینی زبان میں۔ Latinised نام۔ Gaber ہے۔

(۲) الخوارزمی۔ (پیدائش ۷۷۰ء۔۔ وفات ۸۴۰ء) یہ بہت بڑے حساب

داں تھے انہوں نے علم ریاضی میں ایسے ایسے فارمولے ایجاد کیے تھے جو آج بھی پوری

دنیا میں مسلم ہیں اور ان کو پڑھایا جاتا ہے۔ اس کو Mathematician کہا جاتا

ہے۔ یہ کمپیوٹر کی بنیاد ہے یہ اگر نہ ہوتا تو آج ہم سائنس اور کمپیوٹر کا دور تک نہ دیکھ

پاتے۔ انکا لاطینی نام Algorithm ہے۔ یہ اسٹرونومی Astronomy کے بھی

ماہر تھے۔

(۳) عباس ابن فرنامس جو Mechanics of Flight کہلاتے ہیں۔

انسان کو ہوا میں اڑانے کی پہلی سوچ ان کی ہی ہے موصوف نے پہلا Glider بنایا

جس میں وہ خود اڑا کرتے تھے اور نت نئے تجربہ کرتے تھے ان کو: Father of

Aviation کہا جاتا ہے۔

ان کی وجہ سے انسان نے اڑان بھری اپنے ہی تجربات میں ۸۸۸ شہادت

حاصل کی کیونکہ ۱۹۰۱ آغاز میں کچھ غلط ہو گیا مگر اپنی جان دیکر پہلے پلین کے متعلق

تھیوری بنائی، گویا گیارہ سو سال پہلے کے نظریات پر ہی آج جہاز کی بنیاد پڑی۔

(۴) الرازی۔ Raizes کے نام سے جانے جاتے ہیں

(پیدائش ۸۶۴ء۔۔ وفات ۹۳۰ء) یہ مفسر قرآن بھی ہیں۔ Medicine,

Ophthalmology, Chemistry۔ پر کام کیا۔ Small pox۔ علاج بھی انہوں

نے نکالا موصوف بیک وقت امام اور سائنسدان ہیں۔

(۵) ابو القاسم الزہراوی۔ Father of modern surgery

Abulcasis - نام سے جانے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں مشہور ہے کہ تقریباً (۱۰۰) سو آلات ایجاد کیے

جس میں ولادت کے لئے: ویکيوم سسٹم: اور اسی طرح کے تقریباً ساٹھ آلات آج بھی استعمال ہوتے ہیں۔

(۶) بوعلی سینا - Abysina - کہا جاتا ہے علم طب کے ماہرین میں سے ہیں۔ ان کی کتابیں آج بھی کیمرج یونیورسٹی اور دیگر کالجوں میں پڑھائی جاتی ہیں: الشفاء: نامی کتاب آج بھی میڈیسن میں سند کی حیثیت رکھتی ہے گویا کوئی ڈاکٹر بھی ان کی تھیوری کے بغیر ڈاکٹر نہیں بن سکتا

(۷) ابن ہشیم - Hasim کے نام سے جانے جاتے ہیں موصوف نے کیمرہ بنانے کی تھوری دی دی آج کیمرہ کی دنیا ان کی ہی مرحون منت ہے بے شمار سائنسدان ہیں جنکی فہرست بہت لمبی ہے بڑی بڑی کتابوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔ طوالت کی وجہ سے اختصار کیا جا رہا ہے۔

کاش ہم سب اس مقدس کتاب کو مطلوبی سے تھام لیں تو تاریخ دھرائی جاسکتی

ہے۔

اسلام میں تعلیم و تربیت

[علمیات]

مرتبہ:.....تقنا۔+مسرت

تاریخ گواہ ہے کہ آخری نبی ﷺ کے آنے سے پہلے بھی تعلیم تھی جس میں فلسفہ ادب سب شامل تھا مگر پھر بھی دنیا تاریک تھی ظلم و بربریت سے بھری ہوئی تھی غلاموں کا استحصال ہو رہا تھا طاقتور کمزور کو دبا رہا تھا انسانیت کے ساتھ ہر طرح کی بدسلوکی ہو رہی تھی اخلاق کا فقدان تھا عقائد خرافات کا مجموعہ تھے معاشرہ میں عدم توازن ہی نہیں تھا بلکہ ظلم کا دور دورہ تھا خشکی اور تری میں ظلم غالب تھا انسانوں کے کرتوتوں کے بدلے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ اس کا نتیجہ دنیا میں ہی انسان کو دکھا دے تاکہ وہ حقیقت کی طرف آجائے۔ ایسے حالات میں جب انسان جہالت کے گرداب میں پھنسا ہوا ہو بے حیائی عام ہو قتل و غارتگری اپنے عروج پر ہو تجارت کے بازار میں لوٹ کھسوٹ مچی ہوئی ہو شاگردوں میں استاذ کا ادب مٹ گیا ہو اولاد میں ماں باپ کا احترام ختم ہو گیا ہو۔ اگر دیکھا جائے تو سکا لرا اور ڈگری ہولڈر کی بھیڑ جمع ہے مفکرین کی جماعتیں موجود ہیں مگر انکا اپنا کردار انتہائی میلا ہوتا ہے انتہائی میں بٹھالیا جائے تو آپسی تبصرے انتہائی کڑے اور نفرت آمیز اقوال سامنے آتے ہیں کوئی محلہ کوئی خاندان ایسا نہیں کے بد اخلاقی کے بھونر میں نہ پھنسا ہوا ہوتا ہے پریشانیوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دنیا میں خود کشی کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔ مایوسی اپنا دامن پھیلاتے ہوئے بڑھتی جا رہی ہے۔ خوف و ہراس کا یہ عالم ہے کہ اگر شام باہر نکل گئے تو صبح کی خبر نہیں صبح کو نکل گئے تو شام کی خبر نہیں کہ خیریت سے گھر واپس آ سکیں گے یا نہیں۔ اپنے آپ کو تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ اقوام اور ممالک کہلائے جانے والے ہیر و شیماسے لیکر عراق افغانستان روہنگیا کو جہنم زار بننا دیکھ رہے ہیں آخر یہ کیسی تعلیم ہے جو انسان کو درندہ بنا رہی ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے نبی جو تعلیم لایا تھا وہ تو بہت صاف ستھری تھی اس میں انسان

ایک اعلیٰ انسان بننا تھا۔ کیونکہ وہ خدا کی جانب سے آئی ہوئی تعلیم بھی، فرمایا گیا اقرء باسم ربك الذی خلق۔ گویا تم جب پڑھائی کرو تو اس رب کی سکھائی ہوئی پڑھائی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا۔ اس تعلیم میں صرف ظاہری اور مادی نالج نہیں دی جاتی ہے بلکہ باطنی اور روحانی تعلیم کا بھی بندوبست ہوتا ہے، جس کو تربیت کے نام سے بھی موسوم کیا جاسکتا ہے، اس لفظ اقرء میں آخری نبی کی جانب سے وہ پیغام پیوستہ ہے جس میں ایک ایسا تعلیمی انقلاب ہے جو دلوں کو بھی بدلتا ہے اور ماحول کو بھی بدلتا ہے بلکہ حکومتیں تک بدل دیتا ہے۔ کیونکہ اس تعلیم کے ذریعہ آسمان سے زمیں کا تعلق ہے عالم بالا سے عالم سفلی کا تعلق ہے روح کا جسم سے تعلق ہے نظام ارضی کا نظام سماوی سے تعلق ہے حیات عارضی سے حیات ابدی کا تعلق ہے ربانی نظام دنیاوی نظام میں شامل ہے۔ اس تعلیم کے بھی دو حصہ ہیں ایک روح کے لئے ایک جسم کے لئے کیونکہ صرف جسم کے لئے تعلیم کا انتظام نہیں ہوتا بلکہ دماغ کے لئے بھی تعلیم کا ارجمند ہوتا ہے اور اس دماغ کا تعلق روح سے ہے روح ایک طریقہ کار کرٹ ہے جو جسم کے ہر حصہ سے متعلق ہے بالخصوص حواس خمسہ ہر آنکھ کا دیکھنا ہر کان کا سننا ہر زبان کا چکھنا ہر جلد کا محسوس کرنا یہ سارا فنکشن روح کا ہے اگر روح نہ ہو تو انسان مردہ ہے اور کوئی عمل نہیں کر سکتا کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ روح یعنی اس کرٹ کا تعلق عالم بالا سے ہے اور جسم کا تعلق اسی زمین سے ہے کیونکہ جسم کا مٹیریل زمینی اشیاء ہیں (اگ پانی ہوا مٹی۔ گوشت سبزیاں پھل وغیرہ) ان سے جسم کی بالیدگی ہوتی ہے۔ اور روح ایک لطیف شے ہے اس کا تعلق نورانیت اور روحانیت سے ہے جس کا راز مادی دنیا میں ابھی تک افشاں نہیں ہوا ہے۔ بہر حال جس طرح جسم کی فروتنی اور بالیدگی خود زمینی اشیاء سے مل جاتی ہے اسی طرح اس کو نالج اور تعلیم معلومات بھی مل جاتی ہے مگر روح کی صفائی اور اس کی ترقی کے لئے کون سے اس کول یا یونیورسٹی اور انسٹیٹیوٹ موجود ہیں۔ علم و ادب ہو یا فن تاریخ ہو یا ثقافت کا علم ہو بلکہ انکس کا مورل اقدار ریجن ہو کہیں بھی روحانی تعلیم کا باضابطہ بندوبست نہیں کوئی

ڈپارٹمنٹ بھی ایسا نہیں کہ جس میں روحانیت یا نفسی علوم پر کمند ڈالی گئی ہو جس کے ذریعہ سے اللہ کی رضا، دوسری دنیا یعنی آخرت کے کے لئے کون سی چیز مضر یا مفید ہے اس کا پتہ چل سکے سوائے نبیوں کی تعلیمات کے۔ ظاہری تعلیم سے ممکن ہے کچھ مادی سدھار سامنے آجائے۔ مگر مکمل نظام حیات کہیں نہیں ملتا۔ کیونکہ تعلیم کو مذہب سے الگ کر دیا گیا اس کو سیکولر بنا دیا بلکہ لادینی نظام کے تحت تعلیمی ڈھانچہ بنایا جانے لگا جس میں صرف طاغوتی طاقتیں اپنا فتنہ لیکر پہلے سے موجود ہیں اس کو شیطان کا بھرپور سپورٹ موجود ہے۔ جس کا خلاصہ یہ نکلا کہ موجودہ تعلیم ناقص ہے۔ جس کے نتیجے میں غیر اخلاقی چیزیں تو نمایاں ہو سکتی ہیں مگر اخلاقی اور روحانی ترقی کا نام و نشان تک نہیں ملتا۔ الا ماشاء اللہ۔ اس کے برخلاف اقراء باسم ربك الذی خلق میں پیغمبرانہ مشن اور تعلیم خداوندی کا سسٹم پنہاں ہے۔ پھر ہمیں اس میں فارابی، رازی، ابن حیشم جیسے سائنس دان بھی ملے جو روحانی اور ظاہری علم کے ماہر تھے۔ جن کو وحی الہی سے رہنمائی ملی۔ اور دین و دنیا دونوں میں کامیابی حاصل کی۔

تعلیم کے ساتھ تربیت اور تعلیم کے ساتھ معروف اخلاقیات ہی ترقی کا ضامن ہیں ورنہ جس کو ہم ترقی کہہ رہے ہیں وہ انسانیت کی تباہی اور بربادی کا سامان بن رہی ہے۔ انسان کے لئے ایجوکیشن نہایت ضروری ہے یہ اس کے بچنے کے لئے غذا کا کام کرتی ہے مگر انسانی تیار کردہ تعلیم نہیں بلکہ جو آسمان سے بذریعہ وحی تعلیم آئی ہے وہی انسان اور انسانیت کی ترقی کا ضامن ہے۔

گویا تعلیم وہ تعلیم ہو جس کو اسلامی کہا جاسکے اور اس کی نہایت سخت ضرورت ہے۔ اگر غور کیا جائے تو جہالت بربادی کا ذریعہ بنی ہوئی ہے اس سے زیادہ لادینی تعلیم بھی تباہی کا ذریعہ بنی ہوئی ہے ہمیں جہالت سے بھی بچنا ہے اور لادینی تعلیم سے بھی گریز کرنا ہے اور اسلامی تعلیمات حاصل کرنی ہے اور اسی کو رائج کرنا ہے تاکہ انسان اور انسانیت بامعروج پر پہنچیں ورنہ تعلیم کے نام پر تباہی تباہی ہے۔

ایک بہت بڑے مفکر نے کہا ہے کہ سب سے زیادہ نقصان انسانیت کو اور

اسلام کو آج کی تعلیم بے تربیت سے ہو رہا ہے۔ تعلیم کے نام پر نالج تو دی جا رہی ہے مگر اس کے بدلے آپ سے آپکے اقدار اور آپکی تہذیب چھینی جا رہی ہے کوئینڈس کے نام پر سکھایا جاتا ہے کہ سب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو جبکہ تہذیب یہ ہے کہ بڑوں کے سامنے نظریں نیچی کر کے بات کرو۔ پہلے کہا جاتا تھا کہ: خطاء بزرگاں گرفتار خطاء است: بزرگوں کی غلطی پکڑنا (اور پکڑ کر ان کو ذلیل کرنا) خود غلطی ہے۔ اب یہ چیز سمارٹنس میں شامل ہے۔ بہر حال تعلیم انسان کے لئے از حد ضروری ہے مگر اسلامی آداب کے ساتھ۔

ایسا نہیں کہ ڈارون کے ارتقاء کا نظریہ (جو کہ بالکل فیل نظریہ ہے) اپنانے کے بہانے خدا کا انکار کر دیا جائے۔ بلکہ ناسٹک بننا ایک فیشن بن گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو آج کل تعلیم نہیں بلکہ بقول ایک مفکر ہم: ہنر اور فنون؛ سیکھ رہے ہیں اور ان کا نام تعلیم رکھ دیا ہے تاکہ اس سے پیسہ کمایا جاسکے۔ چاہے اخلاقیات کا جنازہ نکل جائے تہذیب مردہ ہو جائے اور مذہب ختم ہو جائے، اللہ سے سرکش ہو جائے۔ طلب العلم علی کل مسلمہ و مسلمۃ کا مطلب تھا کہ قرآن کے ذریعہ وحی کے ذریعہ اور اللہ تعالیٰ نے جو اچھے بندوں کے ذریعہ جو علم انسانوں کو سکھایا ہے اس کی روشنی میں تمام علوم و فنون میں ترقی کی جائے اور ان کو سکھا جائے۔ کیونکہ یہ کائنات اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے ہی مسخر کی ہے۔ اس کی جتنی گہرائی میں جایا جائے گا اتنی ہی اس کے خالق اور مالک کی بڑائی سامنے آئے گی اور اپنی کمتری اور بندگی کا احساس جاگے گا یہی علم کی پہچان ہے اور اگر صرف ہنر سیکھ کر فنون جانکر اپنی ہی بڑائی اور غرور کے نشہ میں آگئے تو وہ سچا علم نہیں بلکہ تباہی کا ذریعہ ہے۔ اللہ ہمیں صحیح علم سیکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نفسیات اسلامی

تدبیر (غور و فکر)

مرتبہ.....قر

عنوانات

- (۱) تدبیر کے معنی اور مفہوم
- (۲) تدبیر کی اہمیت اور فضیلت
- (۳) تدبیر کے مقامات
- ☆ کائنات میں تدبیر
- ☆ انسان کی تخلیق میں تدبیر
- ☆ قرآن میں تدبیر
- (۴) سلف صالحین اور تدبیر
- (۵) تدبیر کرنے کے فوائد
- (۶) تدبیر قرآن کے اصول اور آداب

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بہت سی مخلوق کی بہ نسبت ایک خاص نعمت عقل اور شعور کی نعمت عطا فرمائی۔ ہے اور اسے "اشرف المخلوقات" کے لقب سے سرفراز کیا۔ انسان کو یہ مقام دینے کی وجہ اس کو دی گئی عقل اور سمجھ کی صلاحیت ہے۔ اسی نعمت کے ذریعے انسان اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا کر سکتا ہے۔ اللہ نے انسان کی تخلیق کی اور اس کی رہنمائی بھی فرمائی، اسے بیکار نہیں چھوڑ دیا۔ جیسا کہ فرمایا۔ اَلْاِنْسَانُ اَنْ يُتْرَكَ سُدًى، کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائیگا۔ الْقِيَامَةُ۔ 36

یعنی انسان کو اللہ نے بامقصد دنیا میں بھیجا ہے، ایک دن فیصلے کا ہے جس میں وہ تمام انسانوں سے باز پرس کریگا، تو جس نے دل دماغ کھول کر اللہ کی اطاعت میں زندگی گزاری وہی کامیاب ہوگا۔

چنانچہ جس نے عقل اور شعور سے کام لیا اسی کو اپنے رب کی معرفت ہوتی ہے اور وہ بامقصد زندگی گزارتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن اور احادیث میں تدبیر پر بہت زور دیا ہے۔

تدبیر کے معنی اور مفہوم:

تدبیر کا لفظ تدبیر (دب ر) مادہ سے ہے، دب ریٹھ یا پشت کو کہتے ہیں یعنی کسی چیز کا پچھلا حصہ۔ غور و فکر میں کسی چیز کے تہہ تک پہنچنا، کسی کام کے انجام کو سوچنا، اس کے نتائج پر غور کرنا۔ اصطلاح میں اللہ کی آیات پر رک جانا، ان پر غور کرنا ان سے متاثر ہونا اور عمل میں لے آنا۔ قرآن میں اس لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں متعدد بار اس لفظ کا استعمال کیا ہے۔ غور و فکر کے لئے قرآن میں کچھ اور بھی الفاظ استعمال ہوئے ہیں جیسے "تفکر" فکر سے، "يعقلون" عقل سے، "يبصرون" بصر سے، یعنی ان الفاظ کے ساتھ اللہ انسانوں کو عظمت سے بیدار کرتا ہے۔

علماء اکرام کے اقوال:

عمر بن عبد العزیز کہتے تھے اللہ کی نعمتوں میں غور و فکر سب سے اعلیٰ عبادت ہے۔
سفیان ابن عیینہ غور و فکر ایک نور ہے جو دل میں داخل ہوتا ہے۔
ہذا عامر بن عبد قیس نے کہا ”میں نے ایک سے زیادہ اصحاب رسول ﷺ کو
یہ کہتے ہوتا ہوں کہ ایمان کی روشنی غور و فکر ہے یعنی غور و فکر کے ساتھ ”ایمان بڑھتا ہے۔
وہاب بن منبہ ”جو شخص کثرت سے غور و فکر کرے گا تو حقیقت کو پالے گا اور جو
حقیقت سمجھ لے گا اس کو صحیح علم حاصل ہو جائے گا۔ جس کو صحیح علم حاصل ہو گیا وہ عمل بھی
ضرور کرے۔

گویا غور و فکر بنیاد ہے درست عمل کی۔
”سمجھ بوجھ کر ایک بار اللہ اکبر کہنا سمجھی کے ساتھ ہزاروں بار تسبیح کرنے سے
زیادہ بہتر ہے۔

بشر حافی کہتے ہیں اگر لوگ اللہ کی عظمت میں تفکر کرتے تو نصیحت اور نافرمانی نہ کرتے۔
آج انسان بڑے بڑے انکشافات کر رہا ہے اور سمجھتا ہے کہ ہم نے دنیا کو مسخر کر
لیا ہے مگر جب پوچھا جا کہ ہم کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جائیں گے تو اس حقیقت
سے نظریں چراتے ہیں اور اس پر کوئی غور و فکر نہیں کرتے۔

تدبر کی اہمیت اور فضیلت:

ارشاد ربانی ہے: قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ أَفَلَا
تَتَفَكَّرُونَ ○ (الانعام-50:6)

آپ کہتے کہ اندھا اور بینا نہیں برابر ہو سکتا ہے سو کیا تم غور نہیں کرتے۔
اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ غور و فکر کی نظر سے نہ دیکھنے والوں کو اندھوں
کے برابر قرار دیتا ہے۔

حدیث کا مفہوم ہے کہ ”ایک لمحے کا غور و فکر رات بھر کی عبادت سے بہتر ہے۔“

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال : قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَذَكَّرُونَ بِهِ بَيْنَهُمْ إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَغَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَقَّتْ لَهُمُ الْمَلَائِكَةُ وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ

جو لوگ اللہ کے گھر میں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتے ہیں اور اسے مجھ کر پڑھنے پڑھانے اور مذاکرہ کرنے کا اہتمام کرتے ہیں تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے سکون و اطمینان کا نزول ہوتا ہے، رحمت الہی انہیں ڈھانپ لیتی ہے، فرشتے انہیں اپنے گھیرے میں لے لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے پاس موجود فرشتوں کے درمیان ان کا ذکر خیر فرماتے ہیں۔ (صحیح مسلم حدیث نمبر 2699)

ایک بار حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے آپ ﷺ سے تین رات میں قرآن ختم کرنے کی اجازت مانگی۔ آپ ﷺ نے فرمایا، جو شخص تین راتوں سے کم میں ختم کرے وہ قرآن کو نہیں سمجھ سکتا (اور منع فرما دیا)۔ (سنن ابی داؤد)

تدبیر کے مقامات:

جب ہم قرآن کا مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں، خاص طور پر اللہ نے ہمیں الگ الگ طرح سے غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ جس میں تین اہم نکات ہیں:

- (۱) کائنات پر تدبیر
- (۲) قرآن پر تدبیر
- (۳) انسان کے نفس پر تدبیر

کائنات پر تدبیر: عبید بن عمیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے ہیں آپ نے نبی ﷺ کی کون سی سب سے عجیب بات دیکھی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں آپ ﷺ کے ساتھ تھی آپ ﷺ نے فرمایا، عائشہ مجھے چھوڑ دو آج کی رات میں اپنے رب کی عبادت کروں، فرمایا اللہ کی قسم مجھے آپ کی قربت بھی پسند ہے اور خوشی بھی۔ آپ ﷺ اٹھے وضو کیا اور نماز پڑھنے لگے۔ روتے روتے ان

کی ڈاڑھی اور گود بھیگ گئی۔ آپ روتے رہے کہ زمین بھی تر ہو گئی۔ اتنے میں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ فجر کی نماز کے لئے بلانے آئے تو پوچھا اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ رو رہے ہیں حالانکہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہ معاف کر دئے ہیں، فرمایا: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ پھر فرمایا آج رات مجھ پہ کچھ آیات نازل ہوئی ہیں جو اس پر غور و فکر نہیں کرتے ان کے لئے تباہی ہے۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَآخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ
لِّأُولِي الْأَلْبَابِ۔ (آل عمران کی آخری دس آیات)

”بلاشبہ آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں دلائل ہیں اہل عقل کے لیے۔“

امام اوزائی سے پوچھا گھیا ان آیت میں تفکر سے کیا مراد ہے۔ جواب دیا انسان ان کو پڑھے اور ان کو سمجھے، غور کرے۔

اسی طرح سورہ الرحمن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کائنات میں پھیلی ہوئی نعمتوں کا ذکر کر کے غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا لِلْأَنَامِ ۝ فِيهَا فَكِيهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاتُ الْأَكْمَامِ ۝
وَالْحَبُّ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ ۝ فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ ۝

الرحمن: 10-13

اور اسی نے خلقت کے واسطے زمین کو (اس کی جگہ) رکھ دیا۔ کہ اس میں میوے ہیں اور کھجور کے درخت ہیں جن (کے پھل) پر غلاف ہوتا ہے۔ اور (اس میں) غلہ ہے جن میں بھوسہ (بھی) ہوتا ہے اور (اس میں) غذا کی چیز (بھی) ہے۔ سو (اے جن دانس) تم اپنے رب کی کون کونسی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔“

اسی طرح فرمایا:

أَفَلَا يَنْظُرُونَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۝ وَإِلَى السَّمَاءِ كَيْفَ
رُفِعَتْ ۝ وَإِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ۝ وَإِلَى الْأَرْضِ كَيْفَ

سُطِحَتْ ۝ قَدْ كُتِبَ لَكُمْ أَنْتُمْ مُذْ كُتِبَ ۝ (الغاشه: 21-17)

کیا وہ لوگ اونٹ کو نہیں دیکھتے کس طرح پیدا کیا گیا ہے۔ اور آسمان کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح بلند کیا گیا ہے۔ اور پہاڑوں کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح کھڑے کیے گئے ہیں۔ اور زمین کو (نہیں دیکھتے) کہ کس طرح پھجائی گئی ہے۔ تو آپ (بھی ان کی فکر میں نہ پڑے بلکہ صرف نصیحت کر دیا کیجئے کیونکہ آپ تو صرف نصیحت کرنے والے ہیں۔ (۲) قرآن پر تدبیر: مسلم معاشرے میں آج بھی ایک طبقہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ قرآن پر غور و فکر کرنا محض علماء کا کام ہے۔ عام مسلمان قرآن کو کیسے سمجھ سکتا ہے اور غور کر سکتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے گھروں میں قرآن کی تلاوت اور اس کا حفظ کرنا پھر بھی پایا جاتا ہے لیکن اس پر غور و فکر اور عمل کرتے ہوئے کم ہی لوگ نظر آتے ہیں۔ کسی کی وفات پر، نئے مکان اور نئے دکان کے افتتاح پر قرآن خوانی کی محفل منعقد کی جاتی ہے۔ قرآن کے ساتھ یہ کس طرح کا برتاؤ کیا جا رہا ہے، یہ طرز عمل غور و فکر کا مقام ہے۔

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْءَانَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ
اٰخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء-4: 82)

تو کیا پھر قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس میں بکثرت تفاوت پاتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (سورہ-24: 47)

تو کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا دلوں پر قفل لگ رہے ہیں۔ ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو ہمارے لئے راہ نما بنایا ہے۔ مگر اس کو پڑھنے کے باوجود ہم اس سے راہ نمائی نہیں لیتے اور نہ لینا چاہتے ہیں گویا کہ دلوں پر تالے پڑے ہوں۔ حالانکہ اس میں انسان کا ہی ذکر ہے، جیسا کہ فرمایا:

لَقَدْ أَنْزَلْنَآ إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ۝

(انبیاء-10: 21)

ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت کافی موجود ہے کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے (اور نہیں مانتے)۔

قرآن کو اللہ تعالیٰ نے صرف ثواب کمانے کے لئے نہیں بھیجا اور نہ ہی تعویذ بنا کر لوکانے کے لئے نازل فرمایا بلکہ اس کو سمجھنے کا مقصد تو یہ ہے کہ انسان اس پر غور کرے اور اس کے مطابق زندگی کے تمام معاملات میں راہ نمائی لے ایک جگہ ارشاد ہے:

كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ ○ (ص-29)

ایک کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی بڑی برکت والی تاکہ وہ اس کی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ عقلمند نصیحت حاصل کریں۔

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کو تدبر کے لئے نازل کیا گیا اگرچہ اس سے نصیحت تو صرف عقل والے ہی حاصل کرتے ہیں۔ تدبر کرنا ہمارا فرض ہے۔ قرآن پر تدبر کرنے کے لئے آیات پر رک کر غور کیا جائے پھر اس سے متاثر ہو کر عمل میں لایا جائے۔

☆ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قرآن کو تیز تیز نہ پڑھا کرو جیسے اشعار پڑھے جاتے ہیں اور اسے ایسے نہ کھیرو جیسے خراب کھجوریں کھیری جاتی ہیں، بلکہ اس کے عجائبات پر رک جاؤ، اس کے ساتھ دلوں کو حرکت دو، دلوں پر جو زنگ لگے ہیں، مردہ ہو چکے ہیں انہیں اس قرآن کے ساتھ زندہ کرو۔

☆ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں جہاں تک قرآن میں غور و فکر کا سوال ہے اس سے مراد دل کی نگاہوں کو اس کے معنی پر خوب جمادینا۔ اور اس کے سمجھنے میں اپنی تمام فکر کو یکجا کر لینا۔ قرآن کے نازل ہونے کا یہی مقصد ہے۔

لیکن آج ہمارا یہ حال ہو چکا ہے کہ ہم دنیوی ہر علم کو تو خوب سمجھ کر پڑھتے ہیں اور قرآن کو سمجھنا ہم ضروری نہیں سمجھتے۔

☆ ابن تیمیہؒ کہتے ہیں قرآن پڑھنے سے ہی درست راستے کی ہدایت ملتی

ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ (القمر-17)

اور ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے سو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

یعنی اس کے مطالب اور معانی کو سمجھنا، اس سے عبرت و نصیحت حاصل کرنا آسان ہے۔ قرآن اعجاز و بلاغت کے اعتبار سے نہایت اونچے درجے کی کتاب ہونے کے باوجود کوئی شخص تھوڑی سی توجہ سے پڑھے تو سمجھ سکتا ہے۔

(۳) نفس انسانی پر تدبیر:

اللہ تعالیٰ نے خود انسان کے اندر نشانیاں رکھ دی ہیں کہ اگر وہ غور کرے تو اسے اپنے رب کی معرفت نصیب ہو جائے گی۔

اسی وجہ سے قرآن کی متعدد آیات میں نفس انسانی پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، فرمایا گیا ہے:

لَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ كِتَابًا فِيهِ ذِكْرُكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (الانبیاء-10)

ہم تمہارے پاس ایسی کتاب بھیج چکے ہیں کہ اس میں تمہاری نصیحت کافی موجود ہے کیا پھر بھی تم نہیں سمجھتے (اور نہیں مانتے)۔

اپنے وجود پر غور و فکر کرنے کی دعوت بھی دی گئی جیسا کہ ان آیات میں فرمایا گیا

ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا ○

ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس طور پر کہ ہم اس کو مکلف بنائیں تو (اسی واسطے) ہم نے اس کو سننا دیکھنا (سمجھنا) بنایا۔ (ہم نے اس کو) بھلائی برائی پر مطلع کر کے (رستہ بتلایا) (یعنی احکام کا مخاطب بنایا پھر) یا تو وہ شکر گزار (اور مومن) ہو گیا یا ناشکر (اور کافر) ہو گیا۔

(الانسان-2-3)

اللہ تعالیٰ نے نفسِ انسانی کو جسم اور حواس کی قوت ہی نہیں دی بلکہ فکری الہام کے ذریعہ اس میں نیکی اور بدی کا تصور بھی رکھ دیا ہے۔

ایک اور جگہ اس طرح فرمایا ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الْإِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ ۝ الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَا شَاءَ رَكَّبَكَ ۝

اے انسان تجھ کو کس چیز نے تیرے ایسے رب کریم کے ساتھ بھول میں ڈال رکھا ہے۔ جس نے تجھ کو (انسان) بنایا پھر تیرے اعضا کو درست کیا پھر تجھ کو (مناسب) اعتدال پر بنایا۔ (اور) جس صورت میں چاہا تجھ کو ترک کر دیا۔ (الانفطار- 8-6)

انسان کی فلاح کا انحصار اس بات پر ہے کہ اللہ کی دی ہوئی قوتوں کو استعمال کر کے وہ نفس کے اچھے اور برے رجحانات میں سے کن کو دباتا ہے اور کن کو ابھارتا ہے۔

سلف صالحین اور تدبیر

☆ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ تہجد کی نماز میں کھڑے ہوئے اور ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے۔

إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝ (المائدہ- 118) اگر آپ ان کو سزا دینگے تو یہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ ان کو معاف فرمادیں تو آپ زبردست ہیں اور حکمت والے ہیں۔

یعنی اللہ کے رسول اپنی امت کی مغفرت کے لئے حریص تھے، چنانچہ اس آیت کو بار بار پڑھ کر اللہ کی رحمت طلب کی۔ اگر ہم غور کریں تو یہ آیت وسیع مفہوم کی حامل ہے۔

☆ حضرت مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم قرآن کی دس آیات سیکھتے تھے پھر آگے اس وقت تک نہ بڑھتے جب تک ان دس کے معنی سمجھ نہ لیتے اور عمل نہ کر لیتے۔

☆ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورہ بقرہ کو بارہ سال میں سیکھا، اور جب اسے مکمل سیکھ کر فارغ ہوئے تو ایک اونٹ ذبح کیا۔

☆ محمد بن کعب القرظی کہتے ہیں کہ میں رات سے لے کر صبح تک صرف دو سورتیں الزلزال اور القارۃ غور و فکر کے ساتھ پڑھتا ہوں، یہ میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ میں بغیر غور و فکر کے جلدی جلدی پڑھوں۔

☆ حضرت عذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی نماز اور قرأت کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ترتیل سے پڑھتے، جب تسبیح کی آیت آتی تو سبحان اللہ کہتے جب دعا کی آیت آتی تو دعا مانگتے اور جب پناہ کی آیت آتی تو پناہ مانگتے۔ (صحیح مسلم-772)

☆ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے ایک لمبی زندگی گزاری اور ہم میں سے ہر ایک کو قرآن سے پہلے ایمان عطا کیا جاتا تھا۔ پس ایک سورت آپ ﷺ پر نازل ہوتی تو ہم اس کے حرام حلال، پسند ناپسند، عبرت وغیرہ کا علم سیکھ لیتے اور وہ چیز بھی سیکھتے جن سے رکنا چاہئے۔ پھر میں نے ایسے لوگ دیکھے جن کو ایمان سے پہلے قرآن عطا کیا جاتا تو وہ فاتحہ سے لے کر اختتام تک پہنچ جاتے اور وہ نہیں جانتے کہ اس قرآن نے انہیں کیا حکم دیا ہے اور کس چیز سے روکا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح صحابہ کرام نے تحویل قبلہ اور شراب کی حرمت پر فوراً عمل کیا۔ اسی طرح پردے کے حکم پر صحابیات نے فوراً عمل کیا۔

☆ شیخ صالح کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ شیخ سعدی ایک چھوٹی نوٹ بک اپنے پاس رکھتے، رمضان میں قرآن کی تلاوت کرتے ہوئے بیچ بیچ میں وہ اس پر کچھ لکھتے رہتے۔

☆ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات مشہور ہے کہ جب وہ قرآن کی تلاوت کرتے تو بہت زیادہ روتے تھے۔

☆ حسن بصری کہتے ہیں کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ میں نے پورا قرآن پڑھ لیا ہے، ایک بھی حرف نہیں چھوڑا حالانکہ قرآن پڑھنے کا کوئی اثر ان کے اخلاق اور کردار میں نظر نہیں آتا۔

ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن کو بغیر سمجھے ہم اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔
 ۵۔ تدریس قرآن کے اصول و آداب ۵

تلاوت قرآن کے آداب کا پاس و لحاظ رکھنا چاہیے۔ با وضو ہونا مناسب وقت جگہ اور کیفیت کا اختیار کرنا استعاذہ اور بسم اللہ کا اہتمام اور اپنے آپ کو دوسری مصروفیات سے فارغ کرنا، ذہنی یکسوئی اور خشوع و خضوع کے ساتھ پڑھنا آیات سے متاثر ہونا یہ تصور کرنا کہ قرآن ہم سے ہمکلام ہے۔

(۲) وقار و سنجیدگی، غور و فکر اور خشوع و خضوع کی کیفیات کے ساتھ تلاوت کرے
 سورت یا پارہ ختم کرنے کو اپنا اصل مقصد نہ بنائے۔

(۳) جس آیت کو پڑھے اس پر ٹھہر کر خوب باریک بینی سے اس پر غور و فکر کرے۔

(۴) آیت کریمہ کے سیاق و سباق پر تفصیلی نگاہ رکھے، آیت کی ترکیب اس کا مفہوم شان نزول مشکل الفاظ آیت سے حاصل ہونے والے دروس و احکامات پر نہایت سنجیدگی سے دھیان دے۔

(۵) حالات حاضرہ کو سامنے رکھ کر آیت میں غور و فکر کرے تاکہ وہ آیت اس کی زندگی نیز موجودہ دور کے مسائل و مشکلات کا حل مل سکے اور ان آیات کو اپنی حقیقی زندگی میں کیسے برتا جا سکے۔

(۷) آیت کے متعلق مفسرین کرام کے اقوال و آراء کو نظر میں رکھے۔

(۸) قرآن کا اہمہ جہتی مطالعہ کرے۔

(۹) قرآن کے بنیادی اہداف و مقاصد پر توجہ دے۔

(۱۰) نص قرآنی پر مکمل یقین و اعتماد کرے، اور اگر واقع اس کے خلاف ہو تو

اسے نص قرآنی کے تابع بنایا جائے۔

(۱۱) نص قرآنی میں پوشیدہ اسرار و رموز، اشارات اور باریکیوں سے ہم آہنگی۔

(۱۲) قرآن فہمی میں جدید علوم و معارف کو بروئے کار لایا جائے۔

(۱۳) آیات پر ایک ہی بار غور و فکر پر اکتفا کرنے کے بجائے ان پر بار بار نئے نئے زاویہ فکر سے غور و غوض کیا جائے اس لئے کہ بار بار غور کرنے سے نئے نئے معانی نکلتے رہتے ہیں۔

(۱۴) ہر سورت کے مرکزی موضوعات اور مقاصد کو نظر میں رکھئے۔۔

(۱۵) تفسیر کے بنیادی علوم و معارف پر دسترس ہو۔

تدبر قرآن کے فوائد

ابن قیم رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ایک انسان کے لئے دنیا و آخرت میں سب سے زیادہ سودمند چیز اور اس کی جنت کا آسان راستہ یہ ہے کہ وہ قرآن میں غور و فکر کرے ان کے معنی و مفہیم کو سمجھے یہی تدبر قرآن ہے جس کی دعوت دی گئی ہے فرمایا گیا ہے افلا یتدبر القرآن اسی تدبر قرآن سے بندے کو بھلائی اور برائی کی تمام شاہراہوں کے بارے میں واقفیت حاصل ہوتی ہے، خیر و شر کے اسباب و وسائل اور ثمرات و نتائج نیز اچھے اور برے لوگوں کے انجام کا علم ہوتا ہے، نفع بخش علوم اور سعادت و کامرانی کے خزانوں کی چابیاں اسے ملتی ہیں، دل میں ایمان کی بنیادیں مزید راسخ و مضبوط ہوتی ہیں، دنیا و آخرت اور جنت و جہنم کی حقیقت و ماہیت سے اس کا دل روشناس ہوتا ہے۔

☆ گذشتہ قوموں کے حالات و واقعات اور ان پر اللہ کی طرف سے آنے والے عذاب اور ان سے ملنے والی عبرت و نصیحت سے آگاہی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عدل و انصاف اور انعام و اکرام کا نظارہ ہوتا ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی ذات اس کے اسماء و صفات، اس کے افعال، اس کے نزدیک پسندیدہ و ناپسندیدہ اعمال، اس تک پہنچنے کے راستے اور اس کی رکاوٹیں ان ساری چیزوں کے بارے میں معرفت نصیب ہوتی ہے۔

☆ انسانی نفس اس کے صفات اور اعمال کو صحیح کرنے والی چیزوں اور خراب کرنے والی آفتوں کا علم ہوتا ہے۔

☆ اہل جنت و جہنم کے راستے، ان کے اعمال و احوال اور ان کے مقام و مرتبہ سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔

☆ آخرت کا ایسا نظارہ ہوتا ہے جیسے وہیں ہو اور دنیا سے انسان ایسے غائب ہو جاتا ہے جیسے وہ اس میں ہے ہی نہیں اختلاف کے وقت حق و باطل کے درمیان تمیز کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اس سے ایک روشنی ملتی ہے جس سے ہدایت و گمراہی کے درمیان فرق کر پاتا ہے۔

دل کو طاقت ملتی ہے اور اسے ایک خوشحال اور پرسکون زندگی نصیب ہوتی ہے چنانچہ اس کی دنیا دوسروں کی دنیا سے مختلف ہوتی ہے، قرآن کے معانی و مفہیم خوبصورت وعد و نکے کے سہارے بندے کو اپنے رب کی طرف چلنے اور بھاگنے پر آمادہ کرتے ہیں نیز وعیدوں کے ذریعہ اسے دردناک عذاب سے ڈراتے اور خبردار کرتے رہتے ہیں۔

☆ مختلف آراء و مذاہب کی تاریکی میں اسے صحیح راستے کی رہنمائی ملتی ہے، بدعتوں اور گمراہیوں کی دلدل میں پھنسنے سے وہ محفوظ رہتا ہے۔ حلال و حرام کے درمیان تمیز کرنے اور پرکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور اس کی حد بندیوں سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ تاکہ انسان ان حدود کو تجاوز کر کے اپنے آپ کو پریشانی میں مبتلا نہ کرے۔ جب بھی انسان سستی اور کاہلی کا شکار ہوتا ہے تو ایک آواز پکارتی ہے اور جگاتی ہے کہ اٹھ قافلہ آگے نکل چکا ہے۔ جبکہ ہادی و رہبر کا دامن تمہارے ہاتھ آچکا ہے۔ اس لئے اٹھو چلتے رہو اور رواں دواں قافلے کو پالینے کی کوشش کرو، اللہ کی پناہ طلب کرتے ہوئے اس سے مدد مانگو اور کہو:

حسبى الله ونعم الوكيل

الحمد لله قرآن فہمی کے بے شمار فوائد میں بس ضرورت ہے:

دل پینا بھی طلب کیا کر خدا سے
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں ہوتا

وقت ہوتے ہوئے اگر ہم نے اس نعمت سے فائدہ نہیں اٹھایا تو کہیں ہمیں
پچھتا نا نہ پڑے۔ بیسا کہ فرمایا گیا ہے:

وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ ○

(الملك-10)

اور (کافر فرشتوں سے یہ بھی) کہیں گے کہ ہم اگر سنتے یا سمجھتے تو ہم اہل دوزخ میں
(شامل) نہ ہوتے۔

اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو عقل اور شعورس اور تدبیر سے زندگی گزارنے کی
توفیق عطا کرے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْأَلُكَ عِلْمًا نَافِعًا، وَرِزْقًا طَیِّبًا، وَعَمَلًا
مُّتَقَبَّلًا۔

توکل کی حقیقت

[نفسیات اسلامی]

مرتبہ: بشری جمال

فہرست

- (۱) توکل کے معنی اور مفہوم
- (۲) توکل کی اہمیت اور فضیلت
- (۳) اسباب اور توکل
- (۴) صبر اور توکل
- (۵) تقدیر اور توکل
- (۶) توکل کی عملی مثالیں قرآن اور حدیث کی روشنی میں
- (۷) ثمرات توکل
- (۸) توکل بہت سی پریشانیوں کا علاج
- (۹) ان شاء اللہ کا صحیح مفہوم
- (۱۰) توکل کیسے حاصل کریں

مختار الصحاح "نے توکل کے معنی میں لکھا ہے: اپنی عاجزی کے اظہار کے ساتھ بھروسہ اور توکل ہی اعتماد کہلاتا ہے۔

توکل درحقیقت توحید کا لازمی حصہ ہے، کیونکہ توحید کلمہ طیبہ زبان سے بڑھ لینے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس کائنات میں کوئی عبادت کے لائق نہیں اور تمام تصرفات صرف اللہ کے اذن اور مشیت سے ہو رہے ہیں اس یقین کا تقاضا توکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے معاملات کے لئے اگرچہ اسباب پیدا کر رکھے ہیں لیکن وہ اسباب فی نفس کو حقیقت نہیں رکھتے، ان اسباب میں قوت پیدا کرنے والی ذات اللہ کی ذات ہے۔ اگرچہ اسباب اختیار کرنے کا حکم بھی ہمیں شریعت نے ہی دیا ہے لیکن انسان اسباب کو اختیار کرتے وقت یہ سوچ لے کہ اس کی اپنی ذات میں کوئی قوت نہیں اور نظر صرف اللہ کی طرف رہے۔

توکل کا مفہوم:

مثال کے طور پر کسی شخص کو بیماری لاحق ہو جاتی ہے، اور بیماری کا علاج کرنا بھی سنت سے ثابت ہے، لیکن ایک مسلمان دوا کھانے میں ایک کافر کے ساتھ امتیاز ہونا چاہئے کیوں کہ کافر کا بھروسہ اس ڈاکٹر اور دوا پر ہوتا ہے اور ایک مومن جب دوا کھاتا ہے تو وہ جانتا ہے کہ دوا کے اندر تاثیر پیدا کرنے والا تو اللہ ہے۔ مگر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگرچہ یہ اعتقاد مسلمان کے دل میں ہوتا تو ہے لیکن عمل کے وقت اس کا دھیان نہیں ہوتا، ایسی صورت میں اعتقاد کافی نہیں۔ عمل میں توکل کا ڈھل جانا دراصل توکل کہلاتا ہے۔ یعنی فتح و نصرت کی طلب ہو یا رزق میں فراغی مقصود ہو چاہے مصائب و مشکلات سے نجات، ہر جگہ توکل علی اللہ کی روح ہونی چاہیے۔ اسی کا حکم ہمیں قرآن دیتا ہے۔

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ○ (المائدہ-23)

اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

توکل کی اہمیت اور فضیلت:

توکل ترک عمل اور ترک تدابیر کا نام نہیں، بلکہ عمل و تدابیر کے ساتھ توکل کرنا مسلمانوں کی کامیابی کا اہم راز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب کائنات نے قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی متعدد حدیثوں میں توکل علی اللہ کے فضائل و برکات کے دریا بہائے ہیں۔ تو ضروری ہے کہ اس کی اہمیت کو جان لی جائے، چنانچہ آسمان و زمین کے رب کا ارشاد ہے:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ وَسَبِّحْ بِحَمْدِهِ

اور اس جی لایموت پر توکل رکھئے اور (اظہارِ تعجب کے ساتھ) اس کی تسبیح و تحمید میں

لگے رہو۔ (الفرقان-58)

ترمذی کی ایک صحیح حدیث میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک روز میں نبی کے پیچھے سوار تھا، آپ نے فرمایا: ”اے بچے! میں تجھے چند کلمات کی تعلیم دیتا ہوں۔ اللہ (کے احکامات) کی حفاظت و پابندی کر، اللہ تیری حفاظت کرے گا، اللہ (کے احکامات) کی حفاظت و پابندی کر، اللہ تیری حفاظت کرے گا، اللہ (کے احکامات) کی حفاظت کر، اے تو اپنے سامنے پائے گا۔ جب تو مانگے تو اللہ سے مانگ، جب مدد طلب کرے تو اللہ سے ہی مدد طلب کر۔ یقین جان لے کہ اگر ساری امت اکٹھی ہو جائے کہ تجھے کچھ نفع پہنچا دے تو نفع نہیں پہنچا سکتی مگر صرف اتنا ہی جتنا کہ اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہے اور اگر ساری امت اکٹھی ہو جائے کہ تجھے کچھ ضرر پہنچا دے تو ضرر نہیں پہنچا سکتی مگر صرف اتنا ہی جتنا کہ اللہ نے تیرے خلاف لکھ دیا ہے۔ قلم اٹھائے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔ یعنی مدد صرف اللہ ہی سے مدد مانگنی چاہیے یہی عقیدہ اس آیت میں بھی ہے۔

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ۔ ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور آپ

ہی سے درخواستِ اعانت کی کرتے ہیں۔ {الفاتحہ}

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں: استعانت میں دو اصول اکٹھے ہیں: ایک اللہ پر

اعتماد کا عقیدہ دوسرا اس عقیدہ پر عملاً اعتماد۔ بندہ کسی شخص کو لائق اعتماد نہیں سمجھتا مگر بعض اوقات پر ضرورت کی بنا پر کسی پر اعتماد کرتا ہے، کیونکہ اس کا کوئی متبادل اور قائم مقام نہیں ہوتا۔ یہی غلطی آج امت میں بہت عام ہو گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ○

پھر اگر یہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے (میرا کیا نقصان ہے) کہ میرے لیے (تو) اللہ تعالیٰ (حافظ و ناصر) کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے۔ (توبہ-129)

اسلام کی تعلیمات نے ہر اس چیز کی مخالفت کی ہے جو لوگوں کو رحمن کی راہ سے گمراہ کر کے شیطانی کالی اور اندھیری راتوں پر ڈال دیتا ہے۔ دین اسلام دین رحمت اور دین فطرت بھی ہے، لہذا ہر قسم کی بدفالی بدشگونی کو حرام قرار دیا ہے۔ لیکن ایسے راستوں پر وہی لوگ چلتے ہیں جو اللہ پر توکل نہیں کرتے، اس کو اپنے لئے کافی نہیں سمجھتے جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَيَزُقُّهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ
إِنَّ اللَّهَ بَلِّغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ○ (الطلاق-3)

”اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ اور جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس (کی اصلاح مہمات) کے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ اپنا کام (جس طرح چاہے) پورا کر کے رہتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ (اپنے علم میں) مقرر کر رکھا ہے۔“

لیکن صد افسوس! آج ہمارے معاشرے میں کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو تعویذ، گنڈا، غیر شرعی جھاڑ پھونک، ٹونے ٹونکے اور ہنتر منتر پر یقین رکھتے ہیں اور کچھ بیٹھے ہیں کہ مادی اسباب و تدابیر کو چھوڑ کر ان چیزوں سے مطلب برآری کرنا ہی مکمل ہے۔ زمانہ جاہلیت کے تو ہم ہر دست لوگ بھی ایسا ہی عقیدہ رکھتے تھے۔ جس کی

نئی احادیث میں اس طرح کی گئی ہے۔

☆ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ جس نے تعویذ لٹکایا اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے اور جس شخص نے سیپ لٹکائی اس کے لئے اللہ کچھ نہ چھوڑے۔ (مسند احمد) اور ایک روایت میں ہے کہ ”جس نے تعویذ لٹکائی اس نے شرک کیا۔“

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ”میری امت کے 70 ہزار لوگ ایسے ہوں گے جو بغیر حساب جنت میں جائیں گے، پوچھا گیا وہ کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے اور نہ ہی کرواتے ہیں اور نہ شگون لیتے ہیں، بس اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔“ (بخاری و مسلم)

جس کے دل میں توکل کا نور نہیں، اس کا ایمان اندھیر نگری اور اس کا دل چوپٹ راجہ ہے۔ توکل ایسا عمل ہے جو بندے کو اللہ سے قریب کرتا ہے۔ توکل متوکلین کے اندر دو ایسی صفات پیدا کر دیتا ہے جو کسی دوسرے عمل صالح سے بھی ممکن نہیں اور وہ دو صفات یہ ہیں کہ متوکل طلب روزی میں سعی یتیم کرتا ہے، اور اللہ مسبب الاسباب پر اسے اعتماد کامل ہوتا ہے۔ علامہ امام ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توکل نصف ایمان ہے اور نصف آخر ہے انابت۔ اللہ تعالیٰ نے توکل رکھنے والوں کو اجر جزیل اور ثواب عظیم کا وعدہ دیا ہے، ارشاد باری ہے:

إِنَّهُ لَيَسَّ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝
یقیناً اس کا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر (دل سے) توکل کرتے ہیں (انحل-99)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ پر پختہ بھروسہ کرنے والوں کو اللہ شیطان کے دوسوں سے بچا کر ان کی حفاظت کرتا ہے۔ توکل علی اللہ کے بہت سے فوائد ہیں، جیسے کہ اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

☆ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرماتے تھے ”اگر تم اللہ پر بھروسہ کرو جیسا بھروسہ کرنے کا حق ہے تو وہ تم کو اس طرح رزق دیگا جس طرح پرندوں کو دیتا ہے، وہ صبح خالی پیٹ نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آتے ہیں۔“ (ترمذی) یعنی پرندے اپنے آشیانوں سے نکل کر دور دراز جگہوں پر اپنی روزی تلاش کرتے ہیں اور انہیں مل جاتی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ گھروں میں بیٹھے رہو گے اور تم پر من و سلوی نازل ہوتا رہے گا؛ بلکہ فرمایا اور نہایت بلیغ انداز میں فرمایا کہ توکل علی اللہ کے ساتھ ہاتھ پیر مارو گے تو روزی تمہیں ملے گی۔ شرط یہ ہے کہ حجرے یا خانقاہ یا کُنیا میں بیٹھ مت رہنا، ورنہ بھوکے مرو گے۔ اس حقیقت پر انسان غور کر لے تو آج معاش کے جتنے حرام ذرائع عام ہیں وہ بھی بند ہو جائے۔ گھر سے نکلتے وقت توکل کی فضیلت اس حدیث سے ظاہر ہوتی ہے۔

☆ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی نے فرمایا: جس نے گھر سے نکلتے وقت یہ کہا ”اللہ کے نام سے نکلتا ہوں اور اللہ پر میں نے بھروسہ کیا اور اللہ کے سوا کسی کے پاس طاقت نہیں اور نہ قوت“ تو اس سے کہا جائیگا تو نے ہدایت پائی، تیری حفاظت کی گئی اور تونچ گھیا اور اس سے شیطان کو دور کر دیا جائیگا۔“

(ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

اسباب اور توکل:

اسباب اور توکل ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہے۔ شریعت نے بھی بغیر اسباب اور تدبیر کے بغیر توکل کو پسند نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کا بہت سے کام اسباب سے وابستہ کر دیے ہیں اور اس کے ساتھ ہمیں آزماتا بھی ہے، کبھی ان اسباب میں قوت ڈال کر اور کبھی بے فائدہ کر کے۔ ایسے میں ہمارا بھروسہ صرف اللہ پر ہونا چاہیے اسباب پر نہیں۔

فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ (آل

عمران-159)

”پھر جب آپ رائے پختہ کر لیں تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔“

نبی ﷺ جب بھی کسی جنگ میں جاتے پہلے تدبیر اور اسباب اختیار کرتے تھے پھر اللہ پر بھروسہ کر کے چھوٹا ہی لشکر کیوں نہ ہو توکل کرتے اور میدان میں کود پڑتے تھے۔ جنگ بدر اس کی بہترین مثال ہے۔ اسباب کتنے ہی قوی ہوں اگر اس کو کامیابی کا ذریعہ ہرگز نہ سمجھا جائے۔ جیسے جنگ حنین میں مسلمانوں کے لشکر میں 12000 افراد تھے مگر کامیابی اللہ کی مدد سے ہی ملی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمْ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُم مُّذَبِّرِينَ ۝ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَاكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا۔ (توبہ۔ 25-26) تم کو خدا تعالیٰ نے (لڑائی کے) بہت موقعوں میں (کفار

پر) غلبہ دیا اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر (آخر) تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ (کے قلب) پر اور دوسرے مومنین (کے قلوب) پر اپنی (طرف سے) تسلی نازل فرمائی اور (مدد کے لیے) ایسے لشکر نازل فرمائے جن کو تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو سزا دی۔ اس معاملہ میں عموماً لوگوں کے دو طرز عمل ہیں، بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ کچھ بھی کوشش اور محنت کرنے کی ضرورت نہیں صرف ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے اور بعض تو اپنی ذات اور مادی اسباب کو ہی سب کچھ سمجھ لیتے ہیں حالانکہ ہمیں تو اگلے پل کا بھی پتا نہیں کہ ہم رہیں گے یا نہیں یہ خوب سمجھ لیجئے کہ توکل اس کا نام نہیں۔ جیسا کہ ہمیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک بار ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا، اونٹ کو باندھ کر توکل کروں

یا بغیر باندھے؟ آپ نے فرمایا: اونٹ کو باندھو پھر توکل کرو۔ (الترمذی - 2517)
 آسان الفاظ میں یہ بات اس طرح سمجھی جاسکتی ہے کہ اگر ایک کسان چاہتا ہے
 کہ اس کے کھیت کی فصل خوب اچھی ہو تو اس کو محنت، کوشش اور اسباب لازمی
 اختیار کرنے ہونگے۔ اور پھر اللہ پر توکل کرنا چاہئے۔

☆ مسلم کی ایک حدیث کا مفہوم ہے ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا، کیا
 ہم دو استعمال کریں؟ آپ نے فرمایا: ہاں اللہ کے بندوں دو، واللہ نے کوئی بیماری
 نہیں پیدا کی مگر اس کی شفاء بھی پیدا کی ہے لہذا زندگی کے اکثر کاموں میں اسباب
 اختیار کرنا پسندیدہ ہے اور بعض اوقات لازمی بھی مثلاً جب بھوک لگتی ہے تو کھانا بھوک
 مٹانے کا سبب ہے۔ تو بھوک لگنے پر کھانا کھانا ضروری ہے۔
 صبر اور توکل:

ایمان کے ساتھ اگر انسان میں صبر کی صفت نہ ہو تو وہ توکل ہرگز نہیں کر سکتا۔ صبر کو
 ضیاء کہا گیا ہے۔ ضیاء عربی میں سورج کو کہتے ہیں، جس میں ایک قسم کی تپش ہوتی ہے،
 چونکہ صبر میں بھی مشقت اور گرانی ہوتی اور نفس کی مرضی اور خواہش کے خلاف جبر کرنا
 ہوتا ہے، اسی لئے اسے ضیاء سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جب انسان کے دل میں توکل پیدا
 ہو جاتا ہے تو صبر کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ ان دونوں صفات کا ساتھ ہونا
 ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○ (سورة النحل - 42)

”وہ ایسے ہیں جو صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“

حقیقت یہ ہے کہ ایک مومن جب مشکلات کے ذریعے آزمایا جاتا ہے تو وہ اللہ پر
 بھروسہ کی وجہ سے ان مشکلات پر صبر کرتا ہے۔ کیوں کہ اس لئے اس بات کا یقین ہوتا
 ہے کہ اگر اسے ایک کاٹا بھی چبھے اور اس نے صبر کیا تو اس پر بھی اسے اجر سے نوازا
 جائیگا۔ بندہ مومن کی اسی کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارشاد کیا ہے:

وَمَا لَنَا إِلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللَّهِ وَقَدْ هَدَانَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلَىٰ مَا

ءَاذِيتُمْ مَوْتًا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ○ (سورۃ ابراہیم - 12)

”اور ہم کو اللہ پر بھروسہ نہ کرنے کا کون امر باعث ہو سکتا ہے حالانکہ اس نے ہم کو ہمارے (منافع دارین کے) راستے بتلا دیئے اور تم نے جو کچھ ہم کو ایذا پہنچائی ہے ہم اس پر صبر کریں گے اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنے والوں کو بھروسہ رکھنا چاہیئے۔“

☆ نیکی مصیب بن سان بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: مومن کا بھی معاملہ عجیب ہے۔ اس کے ہر کام میں خیر ہی خیر ہے اور یہ چیز غیر مومن کو نصیب نہیں ہوتی ہے۔ اگر اسے خیر پہنچے تو شکر کرتا اور اس میں اس کی بھلائی ہے اور جب اسے تکلیف پہنچے تو اس پر وہ صبر کرتا ہے، اس میں بھی اس کے لئے بھلائی ہوتی ہے۔“ (مسلم)

صبر کی تین قسمیں ہیں:

(۱) اللہ کی اطاعت پر صبر (۲) اللہ کی معصیت پر صبر (۳) اللہ کی قضا و قدر پر صبر

ان تینوں اقسام میں صبر کے لئے توکل شرط ہے، مگر خصوصاً تیسری قسم پر۔

تقدیر اور توکل:

تقدیر کے خیر اور شر پر بھروسہ رکھنا تو ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ انسان کو جو بھی نفع و نقصان پہنچتا ہے اس کی تقدیر میں لکھا ہوا ہے۔ پوری دنیا مل کر بھی اسے نہیں ٹال سکتی۔ اس عقیدہ کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ اللہ ہی سے مدد چاہے، اسی سے سوال کرے، اسی سے گریہ و زاری کرے اور تنہا اسی کی عبادت کرے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَا أَصَابَ مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِّن قَبْلُ أَنْ نَّبْرِأَهَا إِنَّ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ ○ (الحديد ۲۲)

”کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمہاری جانوں میں مگر وہ ایک کتاب میں (یعنی لوح محفوظ میں) لکھی ہے قبل اس کے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں یہ اللہ کے نزدیک آسان کام ہے نیز یہ بھی فرمایا: قُلْ لَّنْ يُصِيبُنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ

لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ○ (التوبہ-51)

”آپ فرمادیں گے ہمیں وہی مسیبت آسکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہے (کیونکہ) وہی ہمارا مالک ہے۔ اس لئے اللہ ہی پر مومن کو (پورا) بھروسہ کرنا چاہیے۔ ☆ صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسول! آج ہمارا عمل کس طرح ہے؟ کیا اس طرح کہ قلم خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے یا مستقبل میں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں بلکہ اس میں ہے کہ قلم خشک ہو چکی ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے۔ تو صحابی نے پوچھا: پھر عمل کیوں کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: عمل کرتے رہو ہر کسی کے لئے وہی آسان کر دیا جاتا ہے جو اس کے مقدر میں ہے۔ وَالَّذِي قَدَّرَ فَهَدَى (الاعلیٰ-۳) اللہ نے تقدیر مقرر کی پھر راہنمائی فرمائی۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ہماری تقدیر لکھ دی ہے مگر ساتھ ہی ہماری راہنمائی بھی کی ہے، بس ہمیں اس کی راہنمائی کے مطابق عمل کرتے رہنا ہے، اور اس معاملے میں یہی بتایا گیا ہے کہ تقدیر کو توکل کے ساتھ وابستہ کر دیا جائے اور اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرتے چلے جائیں۔ اللہ کے ہر فیصلے پر راضی رہیں اس میں ہی ہماری کامیابی ہے۔

جیسا کہ اس آیت میں فرمایا:

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَٰئِكَ حِزْبُ اللَّهِ. (المجادلة-12)

”اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گا اور وہ اللہ سے راضی ہونگے یہ لوگ اللہ کا گروہ ہے“

☆ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا جنت والے اہل جہنم سے پہچانے جا چکے ہیں؟ آپ نے فرمایا بے شک، اس نے عرض کیا تو پھر عمل کرنے والے کیوں عمل کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ ہر شخص اسی کے لئے عمل کرتا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے یا اسی کے موافق اس کو عمل کرنے کی توفیق دی جاتی ہے۔ (بخاری)

چونکہ اپنے انجام سے کوئی بندہ بشرط نہیں ہے اس لئے اس کی ذمہ داری ہے

کہ ان کاموں کو بجالانے کی کوشش کرے جن کا اسے حکم دیا گیا ہے کیوں کہ اس کے اعمال اس کے انجام کی علامت ہیں لہذا اعمال خیر کے بجالانے میں کوتاہی نہ کرے اگرچہ خاتمہ کے متعلق یقینی علم اللہ کے پاس ہے۔

لیکن توکل یہ قطعاً نہیں ہے کہ مقدر پر ہر کام کی ذمہ داری ڈال کر خواب خرگوش میں مست رہا جائے۔ اگر تدبیر، جدوجہد اور کوشش کے ترک کا نام توکل ہوتا تو بھلا بتاؤ اتنی بڑی تعداد میں اللہ تعالیٰ انبیاء و رسل اور مصلحین کو مبعوث ہی کیوں کرتا؟ انبیاء و رسل کو تبلیغ رسالت میں پیہم جدوجہد کی تلقین و تاکید کیوں کرتا؟ توحید و رسالت کے اثبات اور ابلیسی نظام عالم کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اس کی جگہ خدائی نظام حیات قائم کرنے کی راہ میں جان و مال کی قربانی کو واجب و لازم کیوں گردانتا؟

توکل کی عملی مثالیں قرآن اور حدیث کی روشنی میں:

اس ضمن میں سلف صالحین کی مثالیں بھی ہمارے لئے راہنمائی کا ذریعہ بنتی

ہیں۔ جن کا ذکر ہمیں قرآن اور احادیث میں ملتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

وَائْتِلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَنْقُومِ إِنْ كَانِ كَبُورَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذَكِيرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلِيَ اللَّهُ تَوَكَّلْتُ فَأَنْجِعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ أَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تَنْظُرُونِ ۝ (سورہ یونس۔ ۷۱)

”اور آپ ان کو نوحؑ کا قصہ پڑھ کر سنائیے۔ جب انھوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم اگر تم کو میرا رہنا۔ اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا بھاری (اور ناگوار) معلوم ہوتا ہے تو میرا تو خدا ہی پر بھروسہ ہے (جہاں تک تمہارا معاملہ ہے) تم (چاہو تو) اپنے ساتھیوں کو (بھی) جمع کر لو اپنے معاملہ کے لئے۔ (مگر سمجھ لو) تمہارا معاملہ (یا سازشیں تم پر ہی الٹی نہ پڑ جائیں اور) تمہارے لئے ہی گھٹن نہ بن جائے (تمہاری مرضی ہے) تم میرے متعلق (جو چاہو) فیصلہ (کر سکتے ہو یا) کر لو مجھے مہلت دیے بغیر۔ نوحؑ 950 سال تک لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے رہے مگر صرف 80

لوگ بنی ایمان لائے، کافروں نے بہت اذیتیں دیں مگر کبھی ہار نہیں مانی اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے دعوت دیتے رہے۔

اسوہ حسنہ:

لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ. (التوبہ-40)

تم نے رسول اللہ کی مدد نہ کی تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ رسول اللہ کی مدد اس وقت تک کر چکا تھا جب رسول کو کافروں نے جلاوطن کر دیا تھا۔ جس وقت رسول اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں غار میں تھے اور آپ ﷺ نے اپنے ہمراہی (ابو بکر) سے فرمایا تھا: کہ تم (کچھ) غم نہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے: اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ (کے قلب) پر اپنی سلی نازل فرمائی۔

یہ واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ ﷺ اور ابو بکر مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے اور دشمن ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک مرتبہ ان میں سے چند لوگ عین اس غار کے دہانے پر بھی پہنچ گئے جس میں آپ ﷺ چھپے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر کو سخت خوف لاحق ہوا کہ اگر ان لوگوں میں سے کسی نے ذرا آگے بڑھ کر غار میں جھانک لیا تو وہ ہمیں دیکھ لے گا۔ لیکن نبی ﷺ کے یقین میں ذرا فرق نہ آیا اور آپ نے یہ کہہ کر حضرت ابو بکر کو سلی دی، ان دو لوگوں کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے۔

☆ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک غزوہ سے واپسی پر میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ ہم ایک ایسی وادی میں پہنچے جس میں کیکر کے درخت کثیر تعداد میں تھے، آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ وہیں اترے اور تمام لوگ سایہ کی تلاش میں ادھر ادھر درختوں کے نیچے جا پڑے۔ آپ ﷺ بھی ایک درخت کے نیچے آرام فرمانے لگے اور اپنی تلوار پیڑ پر لٹکادی۔ ہم لوگ تھوڑی دیر لینے کے غرض سے سو گئے کہ ناگہاں، ہم نے سنا کہ آپ ﷺ ہمیں آواز دے رہے ہیں، ہم جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کے پاس ایک بدوی موجود ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس نے

مجھ پر میری ننگی تلوار پھینچی جب کے میں سو رہا تھا۔ اور مجھ سے کہا کہ میرے ہاتھ سے تمہیں کون بچائے گا؟ میں نے کہا: ”اللہ“۔ یہ بات تین بار کہی۔ (بخاری، مسلم)

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آپ نے کہا کہ اللہ بچائے گا تو اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور آپ ﷺ نے تلوار اٹھالی اور پوچھا اب تمہیں مجھ سے کون بچائے گا۔ لیکن پھر اسے کوئی سزا نہ دی۔ یعنی ایسے نازک موقع پر بھی آپ گھبرائے نہیں اور اپنے رب پر اعتماد اور توکل کا اظہار کیا۔

☆ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کا توکل بھی قابل ذکر ہے جب کہ وہ مکہ کی سنان وادی میں چھوٹے سے بچے کے ساتھ تنہا چھوڑ کر جانے لگتے ہیں تو پوچھتی ہیں کیا آپ ہمیں اللہ کے حکم سے یہاں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ فرمایا: ہاں! اس پر وہ مطمئن ہو کر کہا پھر اللہ ہمیں ہرگز ضائع نہ کرے گا۔ آگے کس طرح آزمائش ہوئی ہم جانتے ہی ہیں۔ لیکن کسی آزمائش پر توکل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا۔

☆ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا توکل، جب مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کر لی تھی اسی وقت آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا، آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ بستر پر سونے کا حکم دیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بغیر خوف کے پرسکون ہو کر ان کی جگہ سو گئے حالانکہ اس بات کا بھی خوف تھا کہ رات کے اندھیرے میں وہ ان کو بھی نقصان پہنچا سکتے تھے، ایک اور مثال:

قَالَ إِنِّي أَشْهَدُ اللَّهَ وَأَشْهَدُ وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ (۵۴) مِنْ دُونِهِ فَكَيْدُونِي بِجَمِيعٍ ثُمَّ لَا تُنْظِرُونِ (۵۵) إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا (سورة هود- 54-56)

”فرمایا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی (سن لو اور) گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے (بالکل) بے زار ہوں جن کو تم خدا کے سوا شریک (عبادت) قرار دیتے ہو تم (اور وہ) سب مل کر میرے ساتھ (ہر طرح کا) فریب کر لو مجھے مہلت دے بغیر میں نے تو اللہ پر توکل کر لیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے جبکہ اس نے ہر جاندار کی پیشانی

کو پکڑ رکھا ہے (گویا سب کا دماغ اس کی گرفت میں ہے) اسی طرح حضرت ہودؑ نے بھی اپنی قوم کے شرک کرنے کی مخالفت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کا اظہار کیا آج ہمارا توکل کس درجے کا ہے؟ لوگوں سے اتنا خوف ہے کہ بعض اوقات اپنے مسلم ہونے کی پہچان بھی چھپاتے ہیں اور دل میں کوئی ملال تک نہیں ہوتا۔

ثمرات توکل:

ثمرات توکل، یعنی جن کے توکل کا پھل اللہ نے دنیا میں بھی دکھایا ان میں اصحاب کہف کی مثال بہت عبرت آموز ہے، ارشاد الہی ہے:

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذَلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ لَعَلَّ الْمُتَدَبِّرِينَ يَفْقَهُونَ
اور جب دھوپ نکلتی ہے تو اس کو دیکھو گے کہ وہ داہنی جانب کو ہٹتی رہتی ہے اور جب چھپتی ہے تو بائیں طرف ہٹتی رہتی ہے اور وہ لوگ اس غار کے ایک کشادہ جگہ میں تھے یہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے جس کو اللہ ہدایت دے وہی ہدایت پاتا ہے اور جس کو وہ بے راہ کر دے تو اس کے لیے کوئی مددگار راہ بتانے والا نہ پائے گا۔

(سورۃ الکہف-17)

ہم دیکھتے ہیں کہ کس طرح اصحاب کہف اپنا ایمان بچانے کے لئے اللہ پر توکل کرتے ہوئے اپنا گھر، اپنے عزیزوں کو چھوڑ ایک غار میں پناہ لی، تو اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کی مدد کی۔ اسی طرح کی ایک مثال:

وَمَا أُبَرِّئُ نَفْسِي إِنَّ النَّفْسَ لَأَمَّارَةٌ بِالسُّوءِ إِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّي إِنَّ رَبِّي لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ○ (سورۃ یوسف-53)

میں اپنے آپ کو کو بری نہیں بتلاتا (کیونکہ) نفس تو (ہر ایک کا) بری ہی بات بتلاتا ہے بجز (اس نفس کے) جس پر میرا رب رحم کرے بلاشبہ میرا رب بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔ یوسفؑ نے جس طرح توکل کیا اس کا پھل کس طرح انہیں ملا

اس سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ جو لوگ حق اور صداقت کے لئے سعی کرتے ہیں اور دنیا انہیں مٹا دینے پر تلی ہوئی ہو، وہ لوگ اگر یوسفؑ کے قصہ کو اپنے سامنے رکھیں تو انہیں اس سے غیر معمولی تسکین حاصل ہوگی۔ ایک مرد مومن اگر حقیقی اسلامی سیرت رکھتا ہو اور حکمت سے بھی بہرہ یاب ہو تو، تو محض اپنے اخلاق کے زور سے ایک پورے ملک کو فتح کر سکتا ہے، ایک عام شخص کا ایمان اور توکل۔

إِنِّي ءَامَنْتُ بِرَبِّكُمْ فَأَسْمَعُونَ قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَلِيَّتْ قَوْمِي يَعْلَمُونَ يَمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ ○ (سورۃ یس - 25-27)

”میں تو تمہارے پروردگار پر ایمان لاچکا سو تم (بھی) میری بات سن لو کہا گیا جنت میں داخل ہو جا، کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھ کو بخش دیا اور مجھ کو عزت داروں میں شامل کر دیا۔“

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جب ایک انسان پیغمبر کی بات سن کر ایمان لے آتا ہے تو پھر وہ چپ چاپ مردوں کی طرح زندگی نہیں گزارتا بلکہ دوسروں کو بھی اللہ کی طرف بلاتا ہے جیسا اس شخص نے کیا توکل کے ساتھ اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ مگر لوگوں نے اس کو قتل کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان اور توکل کا پھل فوراً ہی جنت کی شکل میں اسے عطا کر دیا۔

اس ضمن میں جنگ بدر کا ذکر بھی بہت اہم ہے کہ کس طرح صرف 313 کا لشکر تھوڑے سے ساز و سامان کے ساتھ کفار کے 1000 کے مقابلے پر ثابت قدم رہا۔ ان کی ثابت قدمی کی وجہ سے اللہ نے بھی ان کا ساتھ دیا اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ وہ کون سی چیز تھی جس کی وجہ سے وہ ثابت قدم رہے؟ وہ تھا اللہ پر بھروسہ، بندگی کا جذبہ جنت پانے کا شوق۔ مگر ہمارا حال تو یہ ہے کہ جنت کا شوق تو خوب ہے پر عمل کی بات ہو تو کوئی مشقت اٹھانا گوارا نہیں۔ وہ لوگ تو جان کی بازی لگانے کے بعد جنت کے امیدوار تھے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ایک کھروچ بھی نہ آئے اور ہم جنت کے وارث

ہوں۔

☆ موسیٰ علیہ السلام کا توکل جب فرعون کا لشکر پیچھے آگیا اور سامنے سمندر دیکھ کر ان اے ساتھی گھبرا اٹھے مگر ان کو اللہ پر بھروسہ اس قدر تھا کہ ذرا نہ ڈرے۔ جس کا پھل فوراً ہی مل گیا، اللہ نے سمندر میں راستہ بنا دیا۔
توکل بہت سی پریشانیوں کا علاج:

توکل ایک ایسی عبادت ہے جس کا تعلق انسان کے دل سے ہے۔ جس کے دل میں توکل کی صفت آجائے تو اس کی تمام مشکلات آسان ہو جاتی ہے۔ مشکلات سے بھاگنے سے ان کا حل نہیں نکلتا بلکہ ان کا حل تدبیر و کوشش اور توکل سے نکالا جائے تو انسان بہت سی ذہنی پریشانیوں سے خود کو آزاد کر لیتا ہے۔ کیوں کہ اگر انسان چھوٹی یا بڑی پریشانیوں کو کوشش کے بعد اللہ کے حوالے نہیں کرتا تو اس کا دل بے چین رہتا ہے اور ایسے میں وہ کمزور ہو جاتا ہے پھر شیطان و وسوسوں کے ذریعے اسے اور زیادہ بے سکون کر دیتا ہے، جس سے انسان میں بعض اوقات غم، غصہ، بدگمانی وغیرہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ پر بھروسہ ہمارے اندر بہت سی خوبیاں پیدا کرتا ہے۔ مثلاً: معاف کرنا، غصہ پنی جانا، مثبت سوچ وغیرہ۔

☆ ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی نے فرمایا: ”جو شخص چاہتا ہے کہ سب انسانوں سے طاقتور ہو جائے تو اسے چاہئے کہ اللہ پر توکل کرے۔ اور جو چاہتا ہے کہ سب سے بڑھ کر غنی ہو جائے تو اسے چاہئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے اس پر زیادہ بھروسہ کرے بہ نسبت اس چیز کے جو اس کے ہاتھ میں ہے، اور جو چاہتا ہے کہ سب سے زیادہ عزت والا ہو جائے اسے چاہئے کہ اللہ سے ڈرے۔“

إِنْ أَرَادَنِيَ اللَّهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كَاشِفَاتُ ضُرِّهِ أَوْ أَرَادَنِيَ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكَتُ رَحْمَتِهِ قُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُونَ
○ (سورة الزمر - 38)

اگر اللہ تعالیٰ مجھ کو کوئی تکلیف پہنچاتا ہے کیا یہ معبود اس کی دی ہوئی تکلیف دور کر

سکتے ہیں یا اللہ تعالیٰ مجھ پر اپنی عنایت کرنا چاہے کیا یہ معبود اس کی عنایت کو روک سکتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ (اس سے ثابت ہو گیا کہ) میرے لیے خدا ہی کافی ہے توکل کرنے والے اسی پر توکل کرتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوا انسان کی بڑی سے بڑی مشکل صرف توکل سے آسان ہو سکتی ہے۔ اکثر اوقات ہم ایک چیز کو پانے کے لئے بہت کوشش کرتے ہیں اور اللہ سے دعا بھی مانگتے ہیں، لیکن اگر وہ نہیں ملتی تو اللہ پر بھروسہ کم ہو جاتا ہے، اور یہی نہیں اس چیز کو پانے کے لئے حرام ذرائع بھی اختیار کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ وہ چیز ہمارے حق میں اپنی نہیں ہوتی۔ ارشادِ باری ہے:

وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ○ (سورۃ البقرۃ-216)

اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی امر کو گراں سمجھو اور وہ تمہارے حق میں خیر ہو اور یہ (بھی) ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور وہ تمہارے حق میں (باعث) خرابی ہوئے اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم (پورا پورا) نہیں جانتے۔

یعنی بہت سی چیزوں کی حقیقت کا اندازہ ہمیں نہیں ہوتا، بظاہر خیر لگنے والی چیز ہمارے لئے شر ہو سکتی ہے۔ اور جن کو ہم برا سمجھتے ہیں وہی ہمارے لئے خیر بن سکتا ہے، اس لئے کوئی چیز کوشش اور دعا کے بعد بھی نہ ملے تو اللہ کے حوالے کر دینا چاہئے۔ اسی میں ہمارے لئے خیر ہے ان شاء اللہ۔ اللہ کی ذات پر یقین ہماری زندگی میں سکون بھر دیتا ہے، بس ضرورت اس کی ہے کہ ہمارے ساتھ اچھا ہو یا برا ہر حال میں اللہ کے ساتھ بدگمانی نہیں، بلکہ مثبت سوچ رکھنا چاہئے۔

ان شاء اللہ کا صحیح مفہوم:

ان شاء اللہ کا معنی یہ ہے کہ اگر اللہ کا حکم اور مشیت ہوئی تو میں فلاں کام کروں گا۔ آج لوگوں نے ان شاء اللہ کا معنی ہی بگاڑ کر رکھ دیا ہے اور یہ سمجھ لیا کہ ان شاء اللہ کہنے سے کچا ارادہ مراد ہوتا ہے۔ حالانکہ ان شاء اللہ کا مقصود تو یہ ہے کہ دل میں اس بات کا

استحضار پیدا کیا جائے کہ کوئی کام بھی اللہ کے حکم کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی وجہ سے مومن کا دھیان اسباب سے ہٹ کر مسبب السباب یعنی اللہ کی طرف چلا جاتا ہے۔ یہ انسان کا توکل ہی ہوتا ہے جو اس سے ان شاء اللہ کہنے پر آمادہ کرتا ہے، قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم بھی دیا۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَلِكَ غَدًا ۝ (۲۳) إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ
وَإِذْ كُنَّا رَبَّكَ إِذَا نَسِيتَ وَقُلْ عَسَى أَنْ يَهْدِيَنَّ رَبِّي لِأَقْرَبَ مِنْ هَذَا
رَشْدًا ۝ (الكهف-23-24)

”اور آپ کسی کام کی نیت یوں نہ کیا کیجئے کہ میں اس کوکل کروں گا۔ مگر مشیت الہی کے ساتھ (اگر ان شاء اللہ کہنا) بھول بھی جاویں تو اپنے رب کا ذکر کیجئے اور کہہ دیجئے کہ مجھ کو امید ہے کہ میرا رب مجھ کو دلیل بننے کے اعتبار سے اس سے بھی نزدیک تر بات بتلا دے۔“

جب ہم کسی کام کے ارادے کے ساتھ ان شاء اللہ کی قید لگا دیتے ہیں تو اللہ کی مدد ہمارے شامل حال ہو جاتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَقِيمَ ۝ وَمَا تَشَاءُونَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ
رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ (التکویر-28-29)

”ایسے شخص کے لیے جو تم میں سے سیدھا چلنا چاہے۔ اور تم بغیر خدائے رب العالمین کے چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔“

ہم چاہتے ہیں کچھ تم چاہتے ہو کچھ۔ اللہ کیا چاہتا ہے دیکھنا چاہیے یعنی ہم جو بھی کرنا چاہیں وہ تب تک نہیں کر سکتے جب تک اللہ نہ چاہے۔ اس معاملے میں یہ بھی یاد رہے کہ اگر کوئی کام کرنے کا دل سے ارادہ نہ ہو تو صرف زبان سے ان شاء اللہ کہہ کر خود کو اور دوسروں کو دھوکا دینے کی ضرورت نہیں، ان شاء اللہ تو صرف اسی وقت کہنا چاہئے جب دل میں پختہ ارادہ ہو اور وہ کام بذات خود کوئی معاصیت کا کام نہ ہو۔ توکل کیسے حاصل کریں:

ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مومن کے دل میں کسی نہ کسی درجہ کا توکل ضرور ہوتا ہے۔ لیکن اس میں مزید اضافہ کرنے کے لئے ہمیں کیا کیا کرنا چاہیے؟

(۱) جیسا کہ ہم جانتے ہیں انسان میں جتنا ایمان ہوتا ہے اسی کے مطابق اس کا توکل بھی ہوگا، تو ہم دیکھتے ہیں کہ اپنے اندر ایمان کیسے راسخ کریں۔ اس کے لئے علماء نے خاص طور پر دو چیزوں کا ذکر کیا ہے۔

(۱) آیت کو نیدہ: کائنات پر غور و فکر:

(ب) آیت شریغہ: یعنی قرآن اور حدیث کے علوم سمجھنا۔

انسان جب شعور کی عمر کو پہنچتا ہے تو وہ اپنے پیدا کرنے والے کے بارے میں سوچنے لگتا ہے لیکن اگر وہ کائنات کی طرف غور سے نظر ڈالے تو اس کو خود بہ خود اللہ کی عظمت کا احساس ہو جائے گا۔ اور اس کی معرفت نصیب ہوگی اسی طرح قرآن اور احادیث کے ذریعے بھی انسان کو اللہ کی ذات و صفات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جس سے اس کے اندر شعوری ایمان پیدا ہوتا ہے اور ایسے ایمان کا پھل توکل کی شکل لے لیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ○ (سورة الأنفال-2)

بس ایمان والے تو ایسے ہوتے ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ تعالیٰ کا ذکر آتا ہے تو ان کے قلوب ڈرجاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ (آیتیں) ان کے ایمان کو اور زیادہ (مضبوط) کر دیتی ہیں اور وہ لوگ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔

(۲) دینی مجلسوں کا اہتمام، ایسی مجلسوں میں جب ہمیں بار بار یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو ہمارا توکل اور بڑھ جاتا ہے۔

(۳) فرائض کی پابندی سے ہمارے ایمان اور توکل میں اضافہ ہوتا ہے۔ جیسے

نماز ہمیں یہ احساس دلاتی ہے کہ اللہ کے سامنے کھڑے ہونا ہے۔

(۴) اچھے دوستوں کی صحبت بھی بہت ہمارے لئے ضروری ہے۔ ایک

حدیث کا مفہوم ہے کہ انسان اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے، لہذا ہمیں دوستوں کے بارے میں محتاط رہنا چاہیے۔

(۵) دعا ایک ایسا ہتھیار ہے جو انسان کو ہر پریشانیوں میں سکون دیتا ہے، اس

کے ذریعے سے بھی ہم اللہ سے بے صبری، جلد بازی اور تمام برائیوں سے بچنے کی دعا مانگتے ہیں۔ جس کے اندر جتنا یقین ہوگا اس کی دعا میں اتنی تاثیر ہوگی۔

حاصل کلام:

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ۔ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی تمام

باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر معاملہ میں ایک مومن صرف اللہ کی طرف رجوع کرے، آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کسی کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو اللہ سے مانگو۔

کیوں کہ موچی اور پیسے سب اس کے تابع فرمان ہیں۔ جب تک اللہ نہ چاہے کچھ بھی نہیں ہوتا، اور اس کا اندازہ عمل کے وقت ہوتا ہے کہ یہ کیسی عجیب دولت ہے۔ ایک

اور چیز کے ”رضا بالقضاء“ کے عمل پر زندگی گزاری جائے۔ تو کل جس قلبی یقین کا نام ہے۔ اسی کے قریب قریب آج کل کے اصطلاحات میں خود اعتمادی کے لفظ کا

استعمال ہوتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ کامیاب افراد وہی ہوتے ہیں جن کے اندر خود اعتمادی کا جو ہر بدرجہ اتم پایا جائے۔ لیکن یاد رہے کہ جہاں پر خود اعتمادی کی سرحد ختم

ہوتی ہے وہیں سے اقلیم غرور اور ملک فریب نفس کی سرحد شروع ہو جاتی ہے اس لیے مذہب اسلام نے انانیت کی خود اعتمادی کے بجائے ”خدا اعتمادی“ کا نظریہ پیش کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو جو عزت و شرف اور جو کرامت و برزگی عطا کی ہے،

اس کا انحصار اور دار و مدار کلی طور پر صحیح عقیدہ اسلامی پر ہے۔ اگر آپ کا عقیدہ صحیح ہے تو

آپ کو مرعبا، لیکن اگر آپ کا عقیدہ ہی صحیح نہیں ہے، تو پھر نامرادی آپ کا مقدر ہے۔

لہذا ہر قسم کی جاہلانہ رسوم و بدعات سے اجتناب کیجئے کیوں کہ آپ حامل عقیدہ اسلامی

ہیں۔ تو کل کے جو معنی آپ کو بتائے گئے، ان کو گروہ باندھ لیں تاکہ شیطان آپ کے دل میں راہ نہ پاس کے بلکہ یہ آیت ہر وقت پڑھتے رہنا چاہیے۔

وَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ الْكَلِيمِ ۝ (المومن-44)
اور میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی کی ہر بندہ پر (گہری) نظر ہے۔
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

استقامت

مرتبہ: فرحت نذیر

[نفسیات اسلامی]

فہرست

- (۱) استقامت کا تعارف
- (۲) استقامت کے معنی و مفہوم
- (۳) عقائد میں استقامت
- (۴) مصائب و مشکلات میں استقامت
- (۵) فتنے کے وقت استقامت
- (۶) دور حاضر کے فتنے
- (۷) استقامت کی راہ میں رکاوٹیں

استقامت کا تعارف:

استقامت کے وسیع معنی ہے۔ لفظ استقامت اہل ایمان کے مراتب میں سے ایک مرتبہ اور اہل تقویٰ و عبادت کے درجات میں سے ایک درجہ ہے جہاں تک پہنچے اور حاصل مراد ہونے کی کوشش ہر مومن مرد اور عورت کو کرنی چاہئے کیونکہ یہ اللہ کے پاس ایک اضافی مقام و مرتبہ ہے۔
استقامت کے معنی و مفہوم:

جم جانا، ٹھہر جانا، ثابت قدم رہنا، کسی چیز کو حق مانتے ہوئے اس پر جم جائے اعمال اور اخلاق کے اعتبار سے۔

شریعت میں اس کے معنی اس طرح ہے کہ انسان جس دین کو برحق سمجھتا ہے اس پر مرتے دم تک قائم و دائم رہے۔ جدوجہد اور کوشش کرتا رہے اور اس راہ میں آنے والی دشواریوں کو برداشت کرتا رہے اسلام کے عقیدہ۔ اعمال اور منہج (طریقہ) مضبوطی سے تھام لینا اور عمل کرنا یہ استقامت ہے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو استقامت کا حکم دیا۔

فَاسْتَقِمُّ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (سورۃ ہود 112)

ترجمہ: ”اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم اور تمہارے وہ ساتھی جو کفر و بغاوت سے ایمان و اطاعت کی طرف پلٹ آئے ہیں ٹھیک ٹھیر راہ راست پر ثابت قدم رہو، جیسا کہ تمہیں حکم دیا گیا ہے اور بندگی کی حد سے تجاوز نہ کرو۔ جو کچھ تم کر رہے ہو، اس پر تمہارا رب نگاہ رکھتا ہے۔

امام مسلم کی روایت میں آتا ہے کہ سفیان بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم سے دریافت کیا، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کی کوئی ایسی بات بتائیے جس کے بارے میں آپ کے علاوہ کسی سے نہ پوچھوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو بس اللہ پر ایمان لا اور اس پر جم جا۔

استقیموا و نعمة ان استقیم: اپنے دین پر قائم رہو اگر تم اپنے دین پر قائم رہتے تو کہانی آچھا ہوتا۔ (ابن ماجہ)

استقم وليحسن خلقك للناس:

(حاکم اور ابن حبان نے روایت کیا ہے)

ثابت قدم رہو اور لوگوں کے لئے تمہارے اخلاق اچھے ہوں: إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ ○ (۲۰) فصلت نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهُي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ○ (۳۱: فصلت)

ترجمہ: جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہمارا رب ہے اور پھر اس پر قدم رہے یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ ”نہ ڈرو، غم کرو، اور خوش ہو جاؤ اس جنت کی بشارت سے جس کا تم وعدہ کیا گیا ہے۔ 30 فصلت

ہم اس دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے ساتھی ہیں اور آخرت جو کچھ تم چاہو گے تمہیں ملے گا اور ہر چیز جس کی تم تمنا کرو گے وہ تمہاری ہوگی۔ 31 فصلت

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے متعلق فرمایا کے یعنی انہوں نے اللہ کے ساتھ شریک نہ کیا بلکہ اللہ کی توحید پر جمے رہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ استقامت یہ کہ تم امر و نہی (نیکی پر عمل اور بدی سے بچنے) پر جمے رہو، بومردی کی طرح مکاری نہ کرو یعنی نیکی پر عمل کرو اور بدی سے اجتناب کی پابندی کرے، اس پر ہمیشہ قائم و دائم رہو۔

قرآن و حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا تعارف اور

آخرت کی کامیابی و سرفرازی کی صرف دو الفاظ میں فرمایا کہ جب تم اپنی زبان سے کہہ دیا کہ ہمارا رب اللہ ہے تو پھر تم اسی بات پر جم جاؤ اللہ نے فرائض و احکامات کی ادائیگی کا حکم دیا ہے انھیں پوری طرح اور آچھی طرح سے ادا کرو دنیا ادھر کی ادھر ہو جائے کچھ بھی حالات میں دین اسلام پر ڈٹے رہنے کا نام ہی استقامت ہے اور بندہ ظاہر و باطن، دل و دماغ، سیرت، کردار، افکار و نظریات اپنے اعمال سے بھی بندہ مستقیم ہو جائے، مومن وہ ہوتا ہے جو اپنے کہے ہوئے جملے پر استقامت کا ثبوت ظاہر و باطن دونوں سے دیتا ہے جیسے کہ منافقین کا ظاہر تو آچھا تھا لیکن باطن سے وہ کافر تھے، بعض لوگوں کا باطن تو آچھا ہوتا ہے لیکن ظاہر کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ اس طرح دل سے بھی استقامت حاصل کرنی ہے صرف زبانی اقرار سے کام نہیں چلے گا۔

(مسند احمد) بندہ کا دل اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک اس کا دل درست نہ ہو یعنی باطن درست نہ ہو اور اس کا دل بھی درست نہیں ہو سکتا جب تک یہ اس کی زبان درست نہ ہو اس طرح استقامت خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ بھی ہونا ضروری ہے جس طریقے سے بندہ ایمان لاتا ہے اور ایمان لانے کے بعد وہ تمام فرائض پر، احکامات ربانی پر، ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بالکل چوں چہ راہ کئے بغیر اس پر عمل در عمل ہو جاتا ہے اس کی اپنی زندگی کا راہ عمل بنالیتا ہے اور اللہ کی مخلوق کے ساتھ زندگی کے معاملات میں استقامت کے ساتھ رہتا ہے بالکل وہ قرآن کے ارشاد کے مطابق زندگی گزارتا ہے

ادخل فی سلم كافة: ”کہ تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ“ اپنے رب کو راضی کرنے اور آخرت کی جوابدہی کے لئے اپنے کہے ہوئے جملے پر جم جاتا اور استقامت کا ثبوت دیتا ہے۔

استقامت کو مزید سمجھنے کے لئے انبیاء اکرام، صحابہ اکرام اور امت کے نیک لوگوں کی سیرت کو دیکھنا ہوگا کیونکہ یہ وہ ذاتیں شخصیتیں ہیں جن کے ذریعہ ہم دین کو سمجھ سکتے ہیں کیونکہ جب بھی اللہ نے استقامت کا ذکر کرتا ہے تو قرآن میں انبیاء اکرام کا ہی

ذکر کرتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین کے اندر سب سے زیادہ آزمائش انبیاء کی لی گئیں سب سے زیادہ اللہ نے انہیں کو آزمایا تھا تا کہ ان کی استقامت کو جانچے کے کتنے دیر تک یہ لوگ دین پر جمے رہتے ہیں استقامت مکمل دین کا مجموعہ ہے نیکوں کے لئے ایک دفعہ کا جوش کافی نہیں بلکہ ہمیشہ کا دوام اور تسلسل چاہئے، مستقل مزاجی سے ایمان کے ساتھ نیکوں پر جمے رہے خواہ وہ چھوٹی ہی کیوں نہ ہو استقامت کے ساتھ رہے۔

استقامت کے فضائل:

استقامت کا اللہ نے حکم دیا ہے اور استقامت اللہ کا دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور ساتھ ہی دنیا و آخرت میں اس کے بے شمار فضائل بھی ہیں اور یہ اللہ کی رحمت اور اس کا بے حد و حساب فضل ہے کہ اس نے جب بھی کسی چیز کا حکم دیا، یا کوئی چیز واجب کی، اس پر دنیا و آخرت میں آجر و ثواب اور فضیلت کا بھی وعدہ فرمایا اور اس لئے بھی کہ اللہ کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ انسان فوری نتیجے کا طالب ہے اور اس کا نتیجہ اس کے لئے ثابت قدمی اور اطمینان کا باعث ہو۔

استقامت کی فضیلت قرآن و حدیث کی روشنی میں

(۱) اہل استقامت پر خوف و ملال نہ ہوگا۔

(۲) اہل استقامت جنتی ہیں۔

(۳) اہل استقامت کے لئے دنیا و آخرت میں بشارت ہے۔

(۴) فرشتوں کا نزول۔

(۱) اہل استقامت پر خوف و ملال نہ ہوگا۔ اہل استقامت جنتی ہیں:

(سورۃ احقاف ۱۴-۱۳)

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ {13}

أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءَ بِمَا كَانُوا

يَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس پر جسے رہے تو ان پر نہ تو کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے یہ تو اہل جنت ہیں جو اسی میں وہ رہیں گے۔ ان اعمال کے بدلے جو وہ کیا کرتے تھے۔

(۳) اہل استقامت کے لئے دنیا و آخرت میں بشارت، فرشتوں کا نزول:

(فصلت 30-31)

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ
الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ
تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحْنُ أَوْلِيَائُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ
فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدْعُونَ ﴿٣١﴾

ترجمہ: واقعی جن لوگوں نے کیا ہمارا رب اللہ ہے پھر اسی پر قائم رہے ان کے پاس فرشتے (یہ کہتے ہوتے) آتے ہیں کہ تم کچھ بھی غم اور اندیشہ نہ کرو اور اس جنت کی بشارت سن لو سے کاتم سے وعدہ کیا گیا ہے تمہاری دنیوی زندگی میں ہم تمہارے رفیق تھے اور آخرت میں بھی رہیں گے، جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لئے جنت میں موجود ہے۔

اہل استقامت کے لئے اللہ کی طرف سے کتنے بڑے وعدے اور کتنی عظیم بشارتیں ہیں۔ دنیا اور آخرت میں دنیا میں لوگ ڈرتے، گھبراتے اور پس و پیش میں رہتے ہیں جو دین پر ثابت قدمی سے جمارہتا ہے اللہ کا کیا خوب وعدہ کے دنیا کے حوادث مرض، فقر و محنت، دشمن، غم و ملال یا اس دنیا کی کوئی بھی پریشانی ہو جو خوف میں مبتلا کرتی ہیں وہ ان سب سے محفوظ امن و امان و سکون سے رہتا ہے فرشتے اس کے رفیق اور انھیں سلی دیتے رہتے ہیں۔

اسی طرح آخرت کے بھی فائدے ہیں اللہ انھیں روز قیامت کی ہولناکیوں کے خوف سے محفوظ رکھے گا ان کی آنکھیں ٹھنڈی کریگا اور فرشتے اہل استقامت کو ہاتھوں

ہاتھ لیں گے یعنی ان کی حفاظت دنیا و آخرت میں کریں گے ان کے ساتھ قبروں میں اور صور پھونکتے وقت ان کی وحشت دور کرینگے، دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت بعث و نشر (قیامت) کے روز انھیں امن و امان میں رکھیں گے ان کے ساتھ ساتھ رہیں گے اور انھیں پل صراط پار کروا کر نعمتوں بھری جنتوں میں داخل کروائیں گے۔

یہ اس رب العالمین کا وعدہ جو وعدہ کی قطعی خلاف ورزی نہیں کرتا، ان کے لئے جو دنیا میں اطاعت الہی اور کثرت عبادت میں مشغول رہتے تھے یہ اللہ کی طرف سے عظیم فضائل ہے اہل استقامت کے لئے خوشخبری، عزت افزائی، نگہداشت دوستی اور سفارش ہے۔

عقائد میں استقامت :

اسلام میں سب سے بنیادی چیز عقائد کی درستگی اور اس پر استقامت ہے ایمان کا شعور اور فہم حاصل کرنا لازم ہے بغیر اس کے استقامت حاصل کرنا ناممکن ہے۔ ایمان زبان سے صرف چند کلمات کی ادائیگی کا نام نہیں ہے بلکہ اللہ کی الوہیت ربوبیت میں کوئی شریک نہ ہو جو اسماء و صفات میں ازکا صبح علم اور ان پر پختہ ایمان و یقین بھی ایمان باللہ کا بنیادی جز ہے اللہ کے حقوق میں ایک اہم حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت میں کسی کو شریک نہ ٹھرایا جائے۔

أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ {36} سورة النحل

اللہ کی بندگی کرو اور جھوٹے خداؤں سے دور رہو۔

صحیح بخاری: تم جانتے ہو اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ میں نے عرض کیا: "اللہ اور

اس کے رسول زیادہ بہتر جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ ٹھہرائیں۔

ان آیات اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عقائد میں استقامت کتنی اہم چیز ہے عقیدہ ہی بنیادی چیز ہے جس کی درستگی اور اس پر ہمیشہ قائم رہنا سب سے بڑھکر ہے بغیر اس کے استقامت حاصل کرنا ناممکن ہے استقامت کی ایک مثال یہ کہ کسی شخص کا

آگ میں ڈال دیا جانا اس کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے بہ نسبت اس کے وہ دوبارہ ایمان کو چھوڑ کر کفر کی طرف پلٹے۔ قرآن مجید جگہ جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دیتا ہے کہ آپ کو زندہ آگ میں پھینکا گیا پھر بھی کس طرح ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ و ایمان میں استقامت تھی کس طرح اللہ پر ایمان و یقین تھا جب آگ میں ڈالا گیا اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آ کر کہا کہ اے ابراہیم کوئی حاجت ہے تو میں حاضر ہوں ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اگر تم اپنی مرضی سے آئے ہو تو مجھے تمہاری ضرورت نہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

{حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَلْ وکیل وَنِعْمَلْ مولیٰ وَنِعْمَ النصیر}

اللہ ہی میرا کافی ہے وہی میرا کارساز اور وہی میرا مولیٰ اور مددگار بھی {

کس طرح کا ایمان و توکل اللہ پر اور کس طرح استقامت پر قائم رہے۔ اللہ اکبر آپ کو اتنا آزمایا گیا پہلے جلاوطن کر دیا گیا، بڑھاپے میں اولاد کا ہونا اور اسے اور بیوی کو سنسان وادی میں چھوڑنے کا حکم، جب بیٹا پلٹنے پھرنے کے قابل ہو گیا تو ذبح کا حکم ہوا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سارے احکامات کو بغیر جوں چرائے بغیر رب العالمین کی رضا کی خاطر پورا کیا اور آزمائشوں میں کامیاب ہوئے قرآن اللہ نے شہادت دی:

صَدَقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ○ {105} {إِنْ هَذَا

لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ ○ {106} الصافات

یقیناً تو نے خواب سچ کر دکھایا، بلاشبہ ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی دلہ دیتے ہیں۔ بے شک یہ تو زبردست آزمائش تھی جو ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لی اور وہ جس میں پورے اترے۔ وہ واقع جب سرداران قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب پر دباؤ ڈالا اور چاہا کہ ابوطالب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دین سے روک دیں اور نہ ماننے کی صورت میں اپنی سرپرستی اٹھالیں اور خود چچا ابوطالب نے حالات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: اے بھتیجے! مجھ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو، تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے اعتماد و یقین

کے ساتھ فرمایا چچا جان! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ میں چاند بھی رکھ دیں تب بھی اس کام سے نہیں کر سکتا۔

کس طرح ہمارے انبیاء، صالحین کا ایمان اور عقائد میں پختگی تھی اتنے آزمائشوں کے بعد بھی اپنے ایمان سے نہیں ہٹے آج مسلمان کے پاس سب کچھ ہے استقامت نہیں ہے ذرا سی پریشانی، ذرا سا خوف معمولی مشکلات، ہمیں دین سے دور کر دیتی ہے ہم بہت جلد گھبرا جاتے ہیں، کسی نے تھوڑا سا لُج دیا ہم ایمان بیچ دیتے ہیں اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کو پکار بیٹھتے ہیں جبکہ ہماری کوئی مدد نہیں کر سکتے، الغرض تھوڑا سا دنیاوی مفاد ہماری آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے ذرا غور کریں ہمارے انبیاء، صالحین اور ہمارے ایمان کا فرق محسوس کریں انبیاء اور صالحین کی زندگیاں ہی ہماری ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں ہر موڑ پر مختلف قسم کی آزمائشوں سے دو چار ہونا پڑا پھر بھی وہ استقامت پر قائم رہے۔ آج ہمیں بھی اس طرح ہمارے اندر بھی ایمان اور عقیدہ میں استقامت کی ضرورت ہے صبح عقیدہ ہی سے بندہ کامیاب و کامران ہو سکتا ہے کیونکہ دین اسلام کی پہلی منزل ہی ایمان ہے۔

مصائب و مشکلات میں استقامت:

مصائب و مشکلات کے وقت اسلام پر جمنا اور سنگین حالات میں جان کو خطرے میں ڈال کر زندگی گزارنا ہی استقامت ہے۔ وہ ایمان باللہ ہی کی طاقت ہے جو دنیوی مفادات اور نفسانی خواہشوں کے جال میں پھنسنے سے انسان کی حفاظت کرتی ہے۔ ہماری تاریخ اسلامی میں ایسے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ اللہ کے نیک بندے مصائب و مشکلات میں بھی اذیتیں سہتے ہوئے کس طرح استقامت پر قائم رہتے مثال کے طور پر حضرت ایوب علیہ السلام کا سوہ کی ہمارے لئے مثال ہے جس نے مصائب و مشکلات میں بھی استقامت کا ثبوت دیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے نبی اور رسول تھے اللہ نے آپ کو بہت زیادہ مال و دولت سے نوازا آپ کے پاس بے شمار مویشی، لاتعداد نوکر، بہت زیادہ زمین

جائیداد کثیر تعداد میں اولاد تھی حضرت ایوب علیہ السلام روئے زمین پر نعمتوں سے مالا مال شخص تھے آپ کو اللہ نے آمانا چاہتا تھا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کیلئے مثال بن جائے آخر سخت مرحلہ شروع ہو گیا آپ کا سب مال و متاع تباہ و برباد ہو گیا، مویشی ہلاک ہو گئے، آپ کی تمام اولادیں ختم ہو گئیں، آپ کو شدید مرض میں مبتلا کر دیا گیا۔ حضرت ایوب علیہ السلام چلنے پھرنے کے قابل نہ رہے سکے، آپ کے مرض کی وجہ سے آپ کے جسم کا گوشت بھی گرنے لگا دوست دور ہو گئے کہیں آپ کی بیماری نہ لگ جائے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی خدمت کیلئے صرف بیوی رہ گئی تھیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام پر اتنی بڑی آزمائشیں پورے 12 سال تک بعض روایات میں ہے 18 سال حضرت ایوب علیہ السلام اس دوران کبھی کسی سے بھی شکوہ نہیں کیا سالہ سال اسی طرح زندگی گذاری۔ بیوی کے کہنے پر اس طرح اپنے رب سے دعا کی

وَأَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُ أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۸۳﴾ سورة انبیاء

اور ایوب کو جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ یقیناً مجھے تکلیف پہنچی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے کس طرح کی انبیاء کی زندگیاں تھیں اتنی تکلیف میں کس طرح دعائیں کرتے تھے نہ ہی شکوہ، نہ ہی نارنگی، نہ ہی عجلت اتنی مصیبتیں آنے کے باوجود بھی آپ استقامت پر قائم رہے اس طرح صحابہ کی بھی مثالیں ہیں۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ کو مشرکین مکہ نے آگ کے انگاروں پر لٹا دیا یہاں تک کہ حضرت خباب رضی اللہ عنہ کی چربی سے آگ بجھ گئی تو انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ سے دعا کی درخواست کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں سابقہ داعیان حق کی استقامت کا ذکر فرما کر اطمینان دلایا اور استقامت کی تاکید فرمائی جب مد سے زیادہ ظلم بڑھ گیا تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی

صحیح بخاری حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کعبہ کے سائے میں اپنی چادر سر کے نیچے رکھ کر لیٹے ہوئے تھے ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرکین مکہ کی سختیوں کی شکایت کی اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اب بھی آپ اللہ سے ہمارے لئے مدد نہیں مانگیں گے؟ آپ اللہ سے ہمارے لئے دعا نہیں کریں گے؟ کہ وہ ہمیں غلبہ عطا فرمائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم سے پہلے داعیان حق کا یہ حال تھا کہ ایمان لانے پر انھیں میں سے ایک آدمی کو پکڑ لیا جاتا، زمین میں ان کے لئے گڑھا کھود کر اس کو اس گڑھے میں کھرا کیا جاتا، پھر اس کے سر پر آرا رکھ کر چیرا جاتا اور وہ دو ٹکڑے ہو جاتا اور کسی کے جسم پر لوہے کی کنگیاں چلا کر گوشت کو ہڈی سے الگ کر لیا جاتا یہ سزا بھی انھیں ان کے دین سے نہ روک سکتی، اس وقت بھی اللہ کی عبادت میں مصروف احد احد کے نعرے لگاتے اللہ کا ارشاد ہوا:

سورة بقرہ: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرُ اللّٰهَ اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيبٌ ۚ (البقرہ) 214

”کیا تم نے گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تم پر ان لوگوں جیسے حالات نہیں آ جو تم سے پہلے گزر چکے، ان کو تنگ دستی اور تکلیف پہنچیا اور وہ بری طرح ہلائے گئے یہاں تک کہ رسول بھی اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ ایمان لائے کہہ اٹھے اللہ کی مدد کب ہوگی؟ سن لو یقیناً اللہ کی مدد قریب ہی ہے۔“

قرآن و حدیث کے مطالعے سے یہی پتہ چلتا ہے کہ آخرت کی کامیابی اور اس کے حصول کیلئے ضرور مصائب و مشکلات آئیں گے جبکہ ہمارے پاس ویسی تکالیف نہیں آئی جیسی پہلے کی امتوں پر آئی جسموں کی تکلیفیں، بیماریاں، پریشانیاں اللہ نے دی، ان کے مال سے آزمایا گیا، مال اور کاروبار برباد ہو گئے ان کو اتنا ہلایا گیا، اتنے زلزلے آئے امتی اور انبیاء پریشان ہو گئے کہنے لگے اللہ کی مدد کب آئیں گی۔ ہماری

خوش نصیبی ہے کہ ہم اللہ اور اس کے رسول کے اتنے پیندیدہ ہیں کہ اللہ نے ہم کو پچھلی قوموں کی طرح آزمائشوں سے بچا رکھا ہے الحمد للہ آج ہم ایسے ملک میں زندگی گزار رہے ہیں جہاں پر ہم اپنے دین پر آسانی کے ساتھ رہ سکتے ہیں کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہے جس طرح پہلے کے انبیاء، صحابہ اور مومنین پر آئیں جس طرح پہلے کے لوگ صرف ایمان لانے پر قتل کر دئے جاتے، آگ میں ڈالے جاتے مختلف اذیتیں برداشت کرتے آج اگر ہم ان کے اور ہم امت محمدیہ کے درمیان فرق دکھیں تو بہت بڑا فرق ہے ہر قسم کی آسانیاں ہے پھر بھی ہم دین پر عمل پیرا نہیں ہم ان مثالوں اور واقعات کو غیر اہم نہ سمجھیں کہ زندگی میں مصائب و مشکلات ضرور آئیں گی اجتماعی طور پر انفرادی طور پر ہم آزمائے جائیں گے لیکن ہم اللہ کی رضا اور خوشنودی اور آخرت کی کامیابی کے لئے مصائب و مشکلات میں بھی دین پر استقامت کا ثبوت دیکھ کر ایک مثال بن گئے ہماری صحابیات نے استقامت کی مثالیں قائم کیں۔

صحابیہ حضرت سمنیہ رضی اللہ علیہ کی زندگی بھی ہماری زندگی کو بدلنے کے لئے کافی ہے۔ جب فرعون نے برہنہ کر کے ان کی شرمگاہ پر نیز مارا تکلیف سے چیخ نکلی مگر زبان پر یہی الفاظ آئے اے اللہ! تو مجھے دین پر ثابت قدم رکھنا مجھے استقامت ہے لہذا ہمیں چاہیے دنیا فانی ہے اس کی ہر تکلیف فانی ہے، چند روز ہے اگر کوئی مصیبت یا پریشانی آجائے تو صبر و شکر کے ساتھ استقامت پر قائم رہیں اللہ نے اسی صبر و استقامت کے بدلے ہمیں جنت کا وعدہ کرتے ہیں جہاں ہم ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے جہاں راحت ہی راحت ہوگی۔

فتنوں کے وقت استقامت:

آج ایک بندہ جس دور سے گزر رہا ہے وہاں اسے ہر قدم پر فتنہ نظر آ رہا ہے ایسے وقت میں انسان اپنے نیک اعمال پر استقامت کے ساتھ کیسے رہ سکتے۔

مسلم عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور جا کر میں نے پوچھا یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نجات کا کیا راستہ ہے کہ میں اللہ

کے پاس قیامت میں کیسے کامیاب ہو سکتا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتیں بتلائیں۔

(۱) اپنی زبان کو لگام دو اپنی زبان کو بلا ضرورت بلا وجہ نہ کھولا کرو ہو سکتا ہے کہ کسی کو تمہاری زبان سے تکلیف پہنچے گی۔

(۲) بلا ضرورت تم اپنے گھروں سے نہ نکلا کرو فتنوں کا ماحول ہے فتنوں کے لوگ ہیں ہو سکتا ہے تم فتنوں کا شکار ہو گے تمہارے گھر تمہارے کافی ہونا چاہئے۔

(۳) ماضی کے گناہوں کو یاد کر کے رویا کرو جو انسان فتنوں کے ماحول میں رہتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتا ہے اس کا معمولی سا عمل بھی اللہ کے نزدیک بلند مرتبے پر پہنچ جاتا ہے۔ (مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو فتنوں کے دور میں مستقل مزاجی سے اللہ کی عبادت میں مگن رہتا ہے اللہ اس کو اتنا ثواب دینگے کہ وہ انسان جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ سے مدینہ ہجرت کر کے جاتا ہے اس کو جتنا ثواب ملتا ہے۔ اس طرح فتنوں کے دور میں رہتے ہوئے استقامت کے ساتھ عمل کرنے والوں کو اتنا ثواب ملے گا جیسے انسان کو اللہ ہجرت کرنے کا ثواب عطا کرتے ہیں اس حدیث سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ہر دور میں فتنے نئے نئے انداز میں آئیں گے چاہے وہ آنکھ کا فتنہ ہو یا کان یا ہاتھوں کا فتنہ یا خیالات کا ہو یا ہمارے افعال کا فتنہ الغرض ہم کو اتنے فتنے نظر آ سکتے ہیں اور ہم حیلہ بہانہ نہیں کر سکتے کیونکہ اللہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے زبانی تعلیمات دی ہیں ہم کو آگاہ کر دیا گیا ہے اب ہمیں اپنے آپ کو پہچانا ہے کہ ہم کس طرح دین پر مستقیم اور استقامت کے ساتھ رہ سکتے ہیں اللہ اپنے بندوں کو جانچنا چاہتا ہے۔

سورة العنكبوت: الم {1} أَحْسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ {2}

وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا

وَلْيَعْلَمَنَّ الْكَاذِبِينَ {3} (سورۃ العنکبوت)

ترجمہ: الم، کیا لوگوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ اس پر چھوڑ دئے جائیں گے کہ وہ کہہ دیں گے ہم ایمان لائے اور انھیں آزمایا نہیں جائیگا اور یقیناً ہم ان لوگوں کو بھی آزمایا جو ان سے پہلے تھے چنانچہ اللہ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جنہوں نے سچ کہا اور یقیناً وہ جھوٹوں کو بھی ضرور جان لے گا۔ اللہ وقتاً فوقتاً اپنے انداز میں آزمائے گا اگر ہم اپنی آزمائشوں میں اپنے آپ کو اسلام سے چھوڑ دیتے یا اپنے نیک اعمال میں اپنے آپ کو نہ بڑھائیں گے فتنوں اور ماحول کا بہانہ کرتے ہوئے اگر ہم ہٹ جائیں گے پھر ہم اخلاص میں کمزور ہیں ہم کو چاہیے کہ ہم اپنے اخلاص کو آگے بڑھائیں اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کو صدق دل سے تسلیم کریں چاہے کتنی ہی تکلیفیں مشکلات کیوں نہ سہنے پڑھیں ہم دین اسلام کے لئے اللہ کی رضا آخرت کی جوابدی کے لئے اپنے دین میں استقامت کے ساتھ بڑھتے رہنا ہے۔

دور حاضر کے فتنے:

(۱) عقائد کا فتنہ

(۲) سود/ بینک

(۳) شادی بیاہ کا فتنہ

(۴) ٹی وی اور انٹرنیٹ کا فتنہ

(۵) وائس آپ اور فری کالز

(۱) عقائد کا فتنہ: چھوٹے سے چھوٹے مسئلے میں ہم اپنے عقائد کو بگاڑ چکے

ہیں۔ کسی نے کچھ کہے دیا کہ یا اعمال کرو تو مان لیا۔ فلاں بابا کے پاس گئے تو ٹھیک ہو جائے گا۔ تو اس کو صحیح سمجھ کر اپنا ایمان کھو دیا۔

(۲) سود یا بینک لون: یہ آج کے دور کا بہت بڑا فتنہ ہے آج زندگیوں کا لایف

سٹائل یعنی زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا کہ جو کمزور ہے اس میں اتنا کافی نہیں ہو رہا ہے اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے ان آفس کو قبول کر لئے جو ہمیں فونز کر کے ہمیں لوٹس

کی شکل میں پیسہ دیتے ہیں فلاں آفرکار کے لئے، گھر بنانے کے لئے، شادی بیاہ کے لئے، بزنس کے فروغ کے لئے مختلف آفرس دیتے ہیں۔ سود کے تعلق سے اللہ کا فرمان ہے قرآن پاک میں ہے۔ احل اللہ البیع و حرم الربوا

ترجمہ: اللہ نے تجارت کو حلال کر دیا ہے اور سود کو اللہ نے حرام کر دیا۔

سود اتنا بڑا گناہ ہے جس سے اللہ نے اعلان جنگ کرتے ہیں آج امت اس فتنے کا بہت تیزی سے شکار ہو رہی ہے اس فتنے کے دور میں اپنے آپ کو استقامت پر رہنے کے بجائے جو آفرس تیار ہوئے ہیں ان کو بلا چوں چرا قبول کر لیا ہے اس طرح آج خیر و برکت ختم ہو گئی ہے۔

(۳) شادی بیاہ کا فتنہ: اس دور کا بڑا فتنہ جھیز اور ریاکاری اتنی بڑھ گئی کہ شادی بیاہ ایک مشکل عمل ہو چکا ہے اگر کوئی نوجوان اس فتنے کو سمجھ کر اسے ختم کرنا چاہیں تو گھر والے اسے آگے بڑھنے نہیں دیتے لڑکی والوں سے جھیز، فضول خرچی اور ریاکاری سے کام لیتے ہیں تاکہ لوگوں میں اپنی ناک برقرار رکھے اور اللہ اور رسول کی نافرمانی کرنے لگ جاتے ہیں اور فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں رسم و رواج پورا کرتے ہیں ہمیں اس معاشرہ کے فتنوں کو ختم کرنے کے لئے اٹھنا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی آنے والے نبی ہیں لیکن دین کا کام کل قیامت پر پہنچانے کے لئے امت کو اٹھنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم بھی اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع ہوں اور دوسروں کو بھی اس فتنے سے آگاہ کریں۔

(۴) ٹی وی اور انٹرنیٹ: آج ٹی وی اور انٹرنیٹ بھی بڑا فتنہ ہے اور امت کے زیادہ تر لوگ اس فتنے کا شکار ہیں جس سے عریانی، بے پردگی، نافرمانی، جھگڑے پھیل رہے ہیں اور آج ہم حیلے بہانے کر رہے ہیں کہ دنیا کی معلومات حالات کو جاننے کے لئے ٹی وی اور انٹرنیٹ ضروری ہے۔ لیکن ضرورت، وقت کی اہمیت اور اعتدال کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔

(۵) واٹس آپ اور فری فون کال: آج واٹس آپ اور فری فون کال بھی

بڑا فتنہ ہے جس سے وقت کی تباہی اور اخلاقی برائیاں بھی بڑھ رہی ہیں۔ آج ہمیں اس فتنے سے بھی بچنا ضروری ہے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مرنے کے بعد انسان سے وقت اور عمر اور مال کے بارے میں پوچھ ہوگی تو ہمیں چاہئے کہ اس فتنوں کے دور میں بہت ہی سوچ سمجھ کر قدم اٹھائیں اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل پیرا رہیں زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال کی روش پر قائم رہیں قرآن اور سنت پر مضبوطی کے ساتھ جم جائیں کیونکہ آدم علیہ السلام سے لیکر حشر تک فتنوں کے ذریعہ آزمائش مختلف انداز میں ہوتی رہے گی۔

استقامت کی راہ میں روکاؤں:

انسان کی اصل فطرت گمراہی نہیں بلکہ ہدایت ہے اور اس کے لئے وہی آسان بھی ہے اور اللہ عزوجل نے اسے استقامت و ہدایت کے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور اس پر عمل کرنے والوں کے لئے بہترین وعدہ بھی فرمایا۔

ترجمہ: لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارے لئے محبوب بنا دیا ہے اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دے رکھی ہے اور کفر گناہ اور نافرمانی نگاہوں میں ناپسندیدہ بنا دیا ہے، لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

مسلمان کو چاہئے کہ ہدایت و استقامت کے اسباب کی جستجو کرے اور اس کی راہ میں آنے والی روکاؤں سے چوکنار ہے، جن سے شیطان بہت سے لوگوں کو ڈراتا رہتا ہے بہت سی ایسی روکاؤں ہیں جو بعض لوگوں کی راہ استقامت میں روکاؤں بن کر مائل ہو گئیں یا اللہ کے دین پر استقامت سے انھیں دور کر دیا چند یا مختصر روکاؤں کا تذکرہ جو اہم ہے۔

(۱) تاخیر اور ٹال مٹول: استقامت کو جان لینے کے بعد تاخیر اور ٹال مٹول سے کام لینا اگلے دن، ہفتہ کے پر ڈالنا صبح نہیں کسی کو اپنے طہ کردہ وقت تک باقی رہنے کی گارنٹی نہیں لہذا ابھی فوری طور پر بلا تاخیر اللہ کے دین پر جم جائیں ایمان مکمل کر لیں اور اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

(۲) برے ہم نشین: بعض لوگ استقامت اپنانا چاہتے ہیں لیکن ان کے کچھ برے ساتھی انھیں ڈراتے ہیں یا خود وہ ان سے ڈرتا ہے۔ اور یہ سوچتا ہے کہ وہ اکیلا ہو جائے گا۔

سورۃ الفرقان 27-28-29

وَيَوْمَ يَعِضُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا ۝ {27}

يَا وَيْلَتَى لَيْتَنِي لَمْ أَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيلًا {28} لَقَدْ أَضَلَّنِي عَنِ الذِّكْرِ بَعْدَ إِذْ جَاءَنِي ۚ كَانَ الشَّيْطَانُ لِلْإِنْسَانِ خَذُولًا {29}

ترجمہ: اس دن ظالم شخص اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا ہائے کاش کہ میں نے رسول کی راہ اختیار کی ہوتی۔ ہائے افسوس! کاش کہ میں فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔ اس نے مجھے اس کے بعد گمراہ کر دیا کہ نصیحت میرے پاس آ پہنچی تھی اور شیطان تو انسان کو دغا دینے والا ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ہم آپچی صحبت اختیار کریں آپچھے لوگوں کے ساتھ رہیں۔ صحبت کا اثر انسان کو بہت جلد اثر انداز ہوتا ہے ایسی دوستی جو اللہ کی اطاعت میں معاون نہ ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور ایسی دوستی بھی جنکے دین پر استقامت سے خوش نہ ہو اس میں بھی کوئی بھلائی نہیں ایسے ساتھیوں کے ساتھ رہیں جنکے ساتھ رہنے سے ہم استقامت پسند ہو جائیں۔

(۳) اہل و عیال اور رشتہ دار:

کئی مرتبہ اہل و عیال رشتہ دار بھی استقامت میں روکاوت بنتے ہیں لیکن اپنے قریب داروں، رشتہ داروں سے پیش آنے والی دشواریوں اور ایند اول پر صبر بھی کرنا چاہئے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زندگیاں ہمارے لئے عمدہ نمونہ ہے۔

(۴) مباح و جائز امور میں بے احتیاطی: بعض امور ایسے ہیں جن کو ہم اتنی کثرت سے استعمال کرتے ہیں انکا چھوڑنا ہی دشوار ہو جاتا ہے۔ جیسے زیادہ سونا، کھیل

کود، ورزش، ملاقاتیں اور تعلقات وغیرہ جیسی مباح و جائز چیزیں روکاٹ کا سبب بنتی ہے و اجبات ترک ہو جاتیں ہیں۔

ایک عقلمند مسلمان کو اس دنیا کی حقیقت، اس کی آزمائش و زیائش اور فنا ہونے والی لذتوں کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔

استقامت کے لئے دعا:

دین اسلام میں دعا کی بڑی اہمیت ہے۔ دعا مومن کا ہتھیار اور بہت بڑا سہارا ہے۔ ایک مومن بندہ اپنی ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کے لئے بھی خدا ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور دین اسلام پر قائم رہنے کے لئے ہمیں دعا کرتے رہنا چاہئے۔

(ترمذی) رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اللہ سے دعا نہیں کرتا اللہ

اس پر غضبناک ہوتا ہے۔

ہمارے انبیاء، صحابہ وغیرہ نے بھی دین پر استقامت کے ساتھ رہتے ہوئے اللہ سے دین پر استقامت کی دعائیں بھی کرتے تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دین پر ثابت قدمی کی دعائیں کرتے تھے۔

(جامع ترمذی) ترجمہ: اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے

دین پر ثابت قدم رکھ۔ (مسلم)

اے اللہ دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیر دے۔

اختتام

استقامت اللہ اور رسول کا حکم اور پسند ہے اور انبیاء کی سنت ہے زندگیوں میں استقامت پیدا ہونے کے لئے ہمیں سب پہلے دین کا صحیح علم و شعور ہو اللہ پر کامل ایمان ہو اور آخرت کی جو ابدی کا ڈر ہو تو ہی اس کی عبادت میں استقامت اختیار کرنے اور اس پر مضبوطی سے جمے رہے تو بندے کو دونوں جہانوں کے غم اور خوف سے نجات ملتی ہے اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے رزق میں فراوانی ہوتی ہے اللہ نے

کہہ دیا کہ اہل استقامت ہی اصحاب الجنۃ ہے۔ ہم میں عقلمند وہی ہے جو خواہشات نفس کو کنٹرول میں رکھیں آخرت میں اپنے رب کو جواب دہی کی تیاری کرے کتنے ہی مصیبتیں اور مشکلات فتنے کیوں نہ آئے اپنے دین پر ثابت قدم رہے ساتھ ہی ساتھ اللہ سے استقامت کے لئے دعائیں بھی کرتے رہیں اور غافلوں کے زمرے کے شامل ہونے سے پناہ چاہیں وقت کے مختلف عبادات جیسے ذکر الہی، استغفار وغیرہ میں مشغول رہیں۔

اسلامی حياء

[نفسیات اسلامی]

مرتبہ: محمودہ

عناوین

- (۱)۔۔۔۔۔ حياء کے معنی
- (۲)۔۔۔۔۔ حياء کی فضیلت
- (۳)۔۔۔۔۔ حياء کس سے کرنی چاہیے
- (۴)۔۔۔۔۔ حياء مرد و عورت دونوں پر فرض ہے
- (۵)۔۔۔۔۔ حياء کے اقسام
- (۶)۔۔۔۔۔ کن معاملات میں حياء نہیں کرنی چاہیے

شرم و حیا

ارشادِ ربّانی ہے کہ: ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشة فی الذین آمنوا لهم عذاب الیم فی الدنیا والاخرۃ واللہ یعلم وانتم لا تعلمون ○ ترجمہ: جو لوگ مومنین میں فواحش پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لئے درد ناک عذاب ہے جبکہ اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ دو قسم کے لوگوں کے بارے میں بتلا رہا ہے:

(۱) ایمان والے اور (۲) بے حیائی پھیلانے والے۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان والے حیا دار ہوتے ہیں اور بے حیا افراد ایمان سے خالی ہوتے ہیں۔ ارشادِ نبوی ہے: الحیا من الایمان: حیا ہی ایمان ہے۔ یعنی ایک شخص اسی وقت مومن ہو سکتا ہے جب اس کے دل میں ایمان ہو اور ایمان اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس کے دل میں حیا ہو، ایک حدیث ہے کہ حیا اور ایمان ایک ساتھ ہی یکجا ہوتے ہیں ان میں سے کوئی ایک نہیں تو دوسرا بھی نہیں یعنی ایک کے جانے پر دوسرا خود بخود چلا جاتا ہے جیسا کہ اگر چراغ ہے تو روشنی بھی ہے دونوں میں بہت گہرا تعلق ہے ایسا ممکن ہی نہیں کہ روشنی تو ہو اور چراغ نہ ہو اسی طرح ایمان اور حیا کا معاملہ ہے، کیونکہ ایمان کی صفت حیا ہے، اگر حیا نہیں تو اس کا ایمان ایک اعلیٰ صفت سے خالی ہے۔ جس کے دل میں ایمان ہوتا ہے وہ اللہ سے ڈرتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اللہ کا حق ادا کرتا ہے اور بندوں کا بھی حق ادا کرتا ہے اس کے ہر عمل میں حیا جھلکتی ہے جس کو شرافت کا نام دیا جاتا ہے۔

حیا کے معنی اور فضیلت

حیا بولنے اور لکھنے میں بہت چھوٹا سا لفظ ہے مگر اس کے معنی بہت وسیع ہیں۔ حیا کے لفظی معنی۔ شرم، ایمانداری، عزت، نیکی، تعلقات کی بہتری، اخلاق کا اعلیٰ

ہونا، اور دل میں ایسی کیفیت کا ہونا جو برائی سے روکے۔

عربی زبان میں لفظ حیا حیات سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں زندگی کے ہیں۔

گویا جس میں حیا ہے وہ زندہ ہے ورنہ مردہ۔

حیا ایک فطری خوبی: یہ خوبی ہر انسان کے اندر رکھی گئی ہے۔ جس کی دلیل قرآن میں سورہ طہ کی آیت نمبر ۱۱۶ سے ۱۲۱ تک بتایا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم اور حوا کو گیموں کے درخت کے پاس جانے سے بھی منع فرمایا تھا۔ مگر شیطان چونکہ خود جنت سے نکل چکا تھا تو اس نے ایسی سازش کی کہ حضرت آدم کو اس درخت کا پھل کھانے پر مجبور کر دیا انہوں نے جیسے ہی پھل کھایا انکا جنت والا لباس اتر گیا مگر اس وقت وہی فطری حیا غالب آئی اور وہ پتوں سے اپنی شرمگاہیں ڈھکنے لگے۔

یہی حیا انسان اور حیوان کا فرق کر دیتی ہے حیوان کو اپنی ضرورت پوری کرنے کیلئے حیا کی ضرورت نہیں ہوتی چاہے وہ ضرورت پیٹ کی ہو یا شرمگاہ کی مگر انسان اپنی ضرورت حیا کے ساتھ پوری کرتا ہے۔ برسر عام ایسا کوئی عمل نہیں کرتا جس سے اس کی انسانیت پر دھبہ لگے اور اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ صحیح معنوں میں انسان ہی نہیں چاہے دیکھنے میں وہ انسان لگتا ہو۔

حضرت انس سے مروی آنحضرت کا ایک قول ہے کہ ہر دین میں ایک صفت ایسی ہوتی ہے جو اس میں غالب ہوتی ہے دین اسلام میں وہ صفت حیا ہے۔ گویا اسلام کی پہچان حیا ہوئی۔ ایک دوسری روایت ہے کہ ایمان کی ساتھ سے زیادہ شعبہ میں جس میں سے افضل شعبہ توحید ہے اور اس کا ادنیٰ شعبہ اماطة الاذی یعنی راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا ہے، اسی میں حیا بھی اسلام کا ایک شعبہ یا ایک شاخ ہے، سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حیا ساری کی ساری خیر ہے۔ حیا اپنے انجام کے اعتبار سے کسی نقصان یا شر کا سبب نہیں بنتی برخلاف بے حیائی کے اس کا انجام گھانا ہی گھانا ہے۔

حیا نیکی کی جانب متوجہ کرتی اور نیکی کی جانب ہلاتی ہے اس کے برعکس بے

حیاتی برائی کی طرف لے جاتی ہے۔ گویا حیا ایک آڑ ہے اور رکاوٹ ہے برائی سے بچنے کیلئے۔

فرمان ہے: اذافات الحیاء فافعل ما شئت جب حیا ہی ختم ہوگئی تو جو پاہو کرو۔ حیا ایک ذاتی صفت ہے حیا والا بے حیائی کے تقاضوں سے بچا رہے گا۔ مثال سے اس طرح سمجھا جاسکتا ہے۔ زمین کے پودے اور پھل زمین سے ان ہی اجزا کو لے لیتے ہیں جس کی ان کو ضرورت ہے مثلاً لیموں کو کھٹاس کی ضرورت ہے گنے کو مٹھاس کی ضرورت ہے اور نیم کے درخت کو کڑواہٹ کی ضرورت ہے۔ تو یہ زمین سے ان ہی اجزا کو جذب کر لیتے ہیں جس کی ان کو ضرورت ہے۔

حضرت انس سے مروی ہے جس چیز میں بے حیائی ہوتی ہے وہ معیوب اور بد نما ہو جاتی ہے اور جس میں حیا ہے وہ چیز مزین اور خوبصورت ہو جاتی ہے۔
بلاشبہ حیا انسانی معاشرہ کا حسن ہے۔ یہی حیا دنیا میں ہی نہیں بلکہ اخروی زندگی میں بھی ساتھ دے گی، حیا کس سے کی جائے؟؟

ایک شخص تاجر ہے اور وہ اپنی تجارت میں کوئی ملاوٹ کرتا ہے، مگر یہ کام کیوں چھپ کر کرتا ہے کیونکہ تھوڑا بہت اس کے اندر حیا کا عنصر بھی شامل ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ غلط کام ہے، وہ غلط کام سے رک نہیں رہا ہے مگر اس کا ضمیر گوارہ نہیں کر رہا ہے اس لئے چھپ کر یہ کام کر رہا ہے مگر ایک ایسی ہستی بھی ہے جس سے کوئی کام بھی چھپا کر نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس ہستی سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں ہے۔ اگر یہ احساس انسان میں ہے تو بہت سی غلطیوں سے اور لغزشوں سے خود بخود بچ سکتا ہے حضرت جنید بغدادی کا ایک قول ہے کہ انسان اللہ کی نعمتوں کا شکر یہ ادا کرنے میں جو کوتاہی کرتا ہے اور پھر اس کا احساس اس کو شرمندہ کرتا ہے کہ مجھ سے نعمتوں کا حق ادا نہیں ہوا یہی اصل حیا ہے۔ یہی مفہوم ہے اس حدیث کا جس کو مسلم سے روایت کیا گیا: اللہ سے حیا کرو جیسا کہ اس کے کرنے کا حق ہے، اور واقعی اللہ سب سے زیادہ حق رکھتا ہے حیا کرنے کا، حتیٰ کہ بعض متشدد قسم کے صوفیاء نے تو یہاں تک کہ دیا کہ جو بندوں سے تو حیا کرتا ہے مگر اللہ سے

نہیں کرتا تو گویا وہ شرک خفی کر رہا ہے۔ مثلاً ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ مومن اگر مومن ہے تو وہ نہ زنا کر سکتا ہے نہ شراب پی سکتا ہے نہ چوری کر سکتا ہے (کیونکہ اس کو اللہ سے حیا آئے گی اور اگر اس کو اللہ سے تو حیا نہیں آئی اور بندوں سے وہ کام چھپا رہا ہے تو وہ شرک کر رہا ہے)

خطاب نبوی ہے اللہ سے مکمل حیا کرو۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے ہر عمل کے وقت اللہ کو حاضر و ناظر جانو تاکہ اپنے ہر برے خیالات پر نظر رکھو ہر پیٹ مین جانے والی غذا پر نگراؤ، کروہمہ وقت اپنی موت اور آخرت کی زندگی پر نظر رہے۔ خطاب نبوی ہے اللہ سے مکمل حیا کرو۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے ہر عمل کے وقت اللہ کو حاضر و ناظر جانو تاکہ اپنے ہر برے خیالات پر نظر رکھو ہر پیٹ مین جانے والی غذا پر نگراؤ، کروہمہ وقت اپنی موت اور آخرت کی زندگی پر نظر رہے۔

مرد اور عورت دونوں پر حیا ضروری ہے

فرمان الہی ہے: قل للمؤمنین یغضوا من ابصارہم۔ ترجمہ: آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ اور یہی بات عورتوں سے بھی کہی گئی ہے۔

حیاء کی قسمیں

[۱] عقائد میں حیا

[۲] عمل میں حیا

[۳] اخلاق میں حیا

[۴] معاملات میں حیا

[۵] لباس میں حیا

عقائد میں حیا کا مطلب یہ ہے کہ اپنے رب کے ساتھ شرک نہ کرے بلکہ اپنے رب کی فرمانبرداری کرے اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے ہر چیز کا مالک

و خالق اسی کو مانے اور جانے اسی سے مدد مانگے اسی کے آگے ہاتھ پھیلائے اسی کو حاضر ناظر جانے کسی کو سفارشی نہ بنائے بلکہ اس میں حیا کرے۔
عمل میں حیا۔ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا جو حکم ہے اسی پر عمل کرے جو اسے منع کیا ہے اس کو نہ کرے بلکہ اس کو کرتے ہوئے شرمائے کیونکہ اس کے خدا نے اس پر عمل کو منع کیا ہے اور جو حکم دیا ہے اس کو نہ کرنے میں شرمائے چاہے دنیوی اعتبار سے اس کو شرم آرہی ہو جیسے برقع پہننے میں اگر شرم آرہی ہے مگر اہل کا حکم ہے کہ حجاب کرو اس لئے ضرور برقع پہنے۔

اخلاق میں حیا کا مطلب ہے کہ ہر شخص سے مہذب انداز سے بات چیت ہو اس کی عزت کی جائے اس کے دکھ سکھ کا خیال رکھا جائے اس کو اتنے القاب سے پکارا جائے۔

معاملات میں حیا کا مطلب ہے کہ ہر معاملہ اچھے اور سچے انداز کا ہو کسی کو دھوکہ نہ دیا جائے اسی سے فریب نہ کیا جائے جھوٹ نہ بولا جائے۔ کسی کو تکلیف نہ دی جائے۔
لین دین والے معاملہ میں کوئی ملاوٹ یا فریب نہ ہو۔ وعدہ کی پختگی ہو۔
لباس میں حیا یہ ہے کہ مرد اور عورت اس انداز کا لباس پہنیں جس سے جسم نہ جھلکتا ہو نہ ہی اتنا چھوٹا ہو کہ ستر کھل جائے نہ ہی بھڑکیلا لباس ہو۔
کچھ معاملات میں حیا نہیں کرنی چاہیے:

[۱] کلام حق

[۲] تحصیل علم

[۳] امر بالمعروف اور نہی عن المنکر

انسان کہیں ہو اور کسی محفل میں ہو بات حق کہنی چاہیے مگر بہت حکمت سے منہ پھٹ بن کر نہیں۔ نہ جھوٹ سے انداز سے بات کرنی چاہیے اور یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ اسکی بات کا کتنا وزن ہے ورنہ اچھی اور سچی بات بھی راغلیاں جاتی ہے۔

علم یا نانج کہیں بھی یا کسی طرح بھی حاصل ہو رہا ہو اس کو ہر عمر اور ہر جگہ اور ہر کسی

سے لینا چاہیے مشہور واقعہ ہے کہ شیخ سعدی نے کتے سے بھی وفاداری سیکھ لی۔
 اپنی بات کہنی چاہیے اور بری بات کو روکنا چاہیے مگر حالات کو دیکھتے ہوئے اور
 بہت ہی حکمت عملی سے اور بہت ہی شائستہ انداز سے۔ ورنہ اسکا الٹا اثر بھی ہو سکتا ہے۔
 تمت بالخیر۔۔۔۔۔

اللهم اقبل هذا
 الجهد والتكلان

کاوش نسواں

کی

مولفات



Designed & Printed by : Islamic Academy # 9027575907

LAJNA NISWAN